جلد 22 شمارہ 6 ماہ اگست 2020ء ذی الحج 1441ھ

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا

صداقت

اللہ

محبت

سِلسلہ عالیہ توحیدیہ

ہے عرش بھی نیچا جو ہو پرواز مسلسل

ماہنامہ

فلاحِ آدمیّت

سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا تعارف اور اغراض و مقاصد

- سلسلہ عالیہ توحیدیہ ایک روحانی تحریک ہے جس کا مقصد کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے مطابق خالص توحید، اتباع رسول، کثرت ذکر مکارم اخلاق اور خدمت خلق پر مشتمل حقیقی اسلامی تصوف کی تعلیم کو فروغ دینا ہے۔
- کشف و کرامات کی بجائے اللہ تعالیٰ کے قرب و عرفان اور اس کی رضا و لقاء کے حصول کو مقصود حیات بنانے کا ذوق بیدار کرنا ہے۔
- حضور ﷺ کے اصحاب کی پیروی میں تمام فرائض منصبی اور حقوق العباد ادا کرتے ہوئے روحانی کمالات حاصل کرنے کے طریقہ کی ترویج ہے۔
- موجودہ زمانے کی مشغول زندگی کے تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے نہایت مختصر اور سہل العمل اوراد واذکار کی تلقین۔
- غصہ اور نفرت، حسد و بغض، تجسّس و غیبت اور ہوا و ہوس جیسی برائیوں کو ترک کر کے قطع ماسواء اللہ، تسلیم و رضا عالمگیر محبّت اور صداقت اختیار کرنے کو ریاضت اور مجاہدے کی بنیاد بنانا ہے۔
- فرقہ واریت، مسلکی اختلافات اور لاحاصل بحثوں سے نجات دلانا۔ تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب کی اہمیت کا احساس پیدا کر کے اپنی ذات، اہل و عیال اور احباب کی اصلاح کی فکر بیدار کرنا ہے۔
- اللہ تعالیٰ کی رضا اس کے رسول ﷺ کی خوشنودی اور ملت اسلامیہ کی بہتری کی نیت سے دعوت الی اللہ اور اصلاح و خدمت کے کام کو آگے بڑھانا اپنے مسلمان بھائیوں کے دلوں میں قلبی فیض کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی محبّت بیدار کرنا اور روحانی توجہ سے ان کے اخلاق کی اصلاح کرنا ہے۔

ماہنامہ

فلاحِ آدمیّت

گوجرانوالہ

عالمگیر محبت اور بنی نوع انسان کی اصلاح و فلاح کا علمبردار

بیاد

خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ

بانی سلسلہ

محمد صدیق ڈارؒ

بانی مجلّہ فلاح آدمیت

شیخ سلسلہ و مدیر سے رابطہ

مرکز تعمیر ملت (ڈاکخانہ سیکنڈری بورڈ) وحید کالونی کوٹ شاہاں گوجرانوالہ

ای میل: info@tauheediyah.com Ph: 055-3411030

Website www.tauheediyah.com

پبلشر عامر رشید انصاری نے معراج دین پرنٹرز مچھلی منڈی لاہور سے چھپوا کر مرکز تعمیر ملت، جی ٹی روڈ گوجرانوالہ سے شائع کیا

قیمت شمارہ -/30 روپے

سالانہ فنڈ -/300 روپے

اس شمارے میں

پاس انفاس اور دیدار کی خواہش

(حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ)

میں اپنی طرف سے توفیض پہنچانے اوران کے اخلاق کوسدھارنے کی کوشش میں کوئی کمی نہیں کرتا۔ پھر خدا جانے ان لوگوں میں خدا سے وہ تعلق اور وہ روحانی سپرٹ کیوں نہیں پیدا ہوتی جو ہونی چاہیے یا تو یہ لوگ تعلیم پر عمل نہیں کرتے یا پھر نئے آنے والوں تک میری تعلیم میری اسپرٹ کے مطابق پہنچتی ہی نہیں۔ برادران حلقہ یہ آپ کا فرض ہے کہ جو لوگ پرانے ہیں نئے آنے والے بھائیوں کو تعلیم سے پوری طرح آگاہ کریں اور اپنی مثال سے ہر ایک میں وہ سپرٹ پیدا کریں جو ایک توحیدی میں ہونی چاہیے۔

پاس انفاس اور دیدار کی خواہش:

اگر دل و دماغ کو دنیوی تفکرات سے پاک اور بے نیاز کرکے پورے دھیان سے نفی اثبات اور خاص کر پاس انفاس کی مشق مداومت کے ساتھ کی جائے تو ناممکن ہے کہ تین چار ماہ میں مطلوبہ نتائج پیدا نہ ہوں۔ آج اس خطبہ میں میں آپ کو پاس انفاس کے ذکر کے متعلق ایک اور نکتہ بیان کرتا ہوں۔ اگر اس نکتہ کو مدنظر رکھتے ہوئے ذکر کیا جائے تو اور بھی زیادہ فائدہ ہوگا اور برسوں کا کام چند ماہ میں ہو جائے گا۔ یہ نکتہ آج تاریخ تصوف میں پہلی مرتبہ بتایا جا رہا ہے۔ اس سے پہلے کبھی کسی بزرگ نے نہیں بتایا۔ مجھ سے سوال کیا گیا کہ پاس انفاس کے متعلق قرآن پاک میں جو آیت ہے۔ وَاذْكُرْ رَبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ ...... سے وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغَافِلِيْنَ اس کے پہلے الفاظ وَاذْكُرْ رَبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ کا مطلب ہماری سمجھ میں نہیں آیا۔ الفاظ کے لفظی معنی تو ہیں "اپنے رب کو یاد کرو اپنے نفس میں" لیکن نفس میں تو کوئی شے یاد نہیں کی جاتی۔

باتیں تو دل میں یاد کی جاتی ہیں پھر اللہ تعالیٰ نے بجائے فِیْ قَلْبِکَ کہنے کے فِیْ نَفْسِکَ کیوں کہا اس میں کیا حکمت ہے۔ میں نے جواب دیا نفس خواہشات کا گھر ہے۔ ہر خواہش بری ہو یا اچھی نفس سے پیدا ہوتی ہے۔ مثلاً تمہارے سامنے دو چار گز کے فاصلے پر ایک خوبصورت پھول کھلا ہوا ہے۔ تمہارے دل میں اس کو توڑ کر پاس رکھنے کی خواہش پیدا ہوئی، تم وہاں تک چل کر گئے اور پھول توڑ کر لے آئے۔ تم نے کبھی سوچا کہ تمہارے دل میں خواہش پیدا ہونے سے پھول توڑ کر واپس آنے تک کیا عمل ہوا۔ حرکت پیدا ہوئی۔ تم گئے، پھول توڑا واپس آئے۔ تمہاری خواہش کی تکمیل ہو گئی۔ اسی طرح ہر خواہش کو پورا کرنے کے لیے حرکت کا ہونا ضروری ہے اور حرکت ہی زندگی کا ثبوت بلکہ عین زندگی ہے۔ اس لیے اگر نفس نہ ہوتا تو خواہش نہ ہوتی۔ خواہش نہ ہوتی تو حرکت نہ ہوتی۔ حرکت نہ ہوتی تو دنیا میں کوئی چہل پہل، رونق اور زندگی کے آثار نہ ہوتے۔ اس لیے غور کیا جائے تو نفس اور خواہش مترادف الفاظ ہیں۔ یہ کلام ربانی کی انتہائی بلاغت ہے کہ یہ سارا قصہ بیان کرنے کے لیے قلب کے بجائے صرف نفس کا لفظ لکھ دیا۔ اس طرح مطلب یہ نکلا کہ جب اللہ تبارک وتعالیٰ کا ذکر کرو تو تمہارے دل میں اس کے دیدار کی خواہش بھی ہونی ضروری ہے۔ یعنی جب تم اللہ کہو تو ساتھ ہی دل میں یہ بھی خواہش ہو کہ "اپنی لقاء سے مشرف فرما۔ مجھے نظر آ جا اپنا جمال جہاں آراء دکھا دے۔" تو اے میرے بھائیو اور بیٹو تم اس خواہش اور تڑپ کے ساتھ پاس انفاس کرو۔ تو صرف پانچ منٹ کا ذکر چوبیس گھنٹے کے ذکر سے کہیں افضل ہو گا۔ اور جو کام برسوں میں ہوتا ہے انشاءاللہ چند ماہ میں ہو جائے گا۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ دن یا رات میں دس یا پندرہ منٹ ایسے مقرر کر لو جب کوئی تمہارے ذکر میں دخل انداز نہ ہو۔ اب دس منٹ برابر اسی طرح یہ ذکر کرو۔ ختم ہونے پر نبی کریم ﷺ کی روح پاک پر درود بھیجو۔ پھر غور کرو کہ ذکر سے پہلے تمہاری کیا کیفیت تھی اور اب کیا ہے۔ مجھ ناچیز کے لیے بھی دعا کریں کہ اللہ انجام بخیر کرے۔

اسلامی روحانیت

(قبلہ محمد صدیق ڈار صاحب توحیدیؒ)

اللہ تعالیٰ نے انسان کو جتنی قوتیں عطاء کر رکھی ہیں وہ انسان کی بہتری کے لیے ہی ہیں ان تمام قوتوں کو اس ڈھنگ سے استعمال کرنا کہ فائدہ زیادہ سے زیادہ اور نقصان کم سے کم ہو، انسان کی کامیابی کی راہ ہے۔ اللہ کی دی ہوئی شریعت کسی بھی قوت کو ضائع کرنا نہیں چاہتی بلکہ اس سے زیادہ سے زیادہ تعمیری کام لینا چاہتی ہے۔ وہ خواہشات اور جذبات کو مٹانے کی بجائے انہیں حدود و قیود میں رکھنے کا حکم دیتی ہے۔ وہ مومن کو یہ بتاتی ہے کہ تیرے جسم کا بھی تجھ پر حق ہے تیرے نفس کا بھی تجھ پر حق ہے۔ تیری بیوی کا بھی تجھ پر حق ہے بلکہ تیرے گھر آئے ہوئے مہمان کا بھی تجھ پر حق ہے اور ساتھ ہی تفصیلی ہدایات بھی دیتی ہے کہ یہ حقوق کیا ہیں اور انہیں ادا کرنے کا احسن طریقہ کیا ہے۔ ان حقوق کے ادا کرنے پر بھی روحانی ترقی کا انحصار ہے۔

اللہ کے دین کی تعلیم اس قدر متوازن ہے کہ بنی نوع انسان کے لیے از سر تا پا خیر ہی خیر بن گئی ہے۔ روحانیت کے حصول کے جو طریقے بتائے گئے ہیں وہ ہر قسم کی افراط و تفریط سے پاک ہیں۔ اسلام میں روحانی ترقی اور اللہ کی معرفت حاصل کرنے کے لیے یہ تعلیم ہرگز نہیں دی جاتی کہ اپنے جسم کو مسلسل فاقوں اور چلہ کشی کی مشقوں سے کمزور اور بے کار بنا دو، مسلسل روزے رکھو ،ساری رات نوافل پڑھنے میں گزار دو، شادی نہ کرو، چپ کے روزے رکھو، ننگے رہو، دنیا کو چھوڑ کر جنگلوں اور پہاڑوں میں جا بیٹھو یا حبس دم کی ریاضتوں میں پڑ کر سانس لینا بھی بند کر دو۔

اسلام اس دنیا میں رہتے ہوئے زندگی گزارنے کا ایسا لائحہ عمل عطا کرتا ہے جس پر عمل کیا جائے تو انسان دنیا کی تمام لذتوں سے متمتع ہوتے ہوئے اور تمام حقوق احسن طریقے سے ادا کرتے ہوئے اللہ کے انتہائی قرب کی منازل تک رسائی حاصل کر سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے آخری

رسول ﷺ کے چند صحابہؓ نے اللہ کی رضا کے حصول اور روحانی ترقی کے شوق میں شادی نہ کرنے، ساری رات اللہ کی عبادت کرنے اور مسلسل روزے رکھنے کا ارادہ کرلیا۔ آپ ﷺ کو ان کے ارادوں کے بارے میں اطلاع ہوئی تو آپ ﷺ نے ان اصحاب کو طلب کرکے پوچھا کہ تم نے ایسا ایسا ارادہ کیا! انہوں نے اس امر کا اقرار کیا تو آپ ﷺ نے انہیں اس طرز زندگی سے روکتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ کی رضا شادی نہ کرنے سے حاصل ہوسکتی تو اس پر سب سے پہلے میں عمل کرتا کیونکہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ میری بیویاں بھی ہیں اور میرے بچے بھی ہیں۔ اگر اللہ کا قرب ساری رات جاگ کر نوافل ادا کرنے سے حاصل ہوسکتا تو سب سے پہلے میں یہ کام کرتا کیونکہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ میں رات کو سوتا بھی ہوں اور پچھلی شب اٹھ کر تہجد بھی ادا کرتا ہوں۔ اگر اللہ کی محبت مسلسل روزے رکھنے سے مل سکتی تو سب سے پہلے میں اس پر عمل کرتا کیونکہ میں اللہ کا رسول ہوں میں نفلی روزے رکھتا ہوں اور چھوڑ بھی دیتا ہوں۔ کیا تمہیں میرا طریقہ پسند نہیں ہے؟

اسلام میں جس طرح دوسری نعمتوں اور مال و دولت کے حصول کے لیے قواعد وضوابط مقرر ہیں اور حلال وحرام کی پابندیاں عائد ہیں اسی طرح روحانیت کے حصول کی خاطر رہبانیت اختیار کرنے سے روک دیا گیا ہے۔ دنیا کی دولت بھی ایک نعمت ہے لیکن زیادہ دولت اکٹھی کرنے کے لیے جس طرح ناجائز ذرائع اختیار کرنا جرم ہے اسی طرح زیادہ ترقی حاصل کرنے کی خاطر دنیا کو ترک کردینا حرام قرار دیا گیا ہے کیوں کہ رہبانیت سے نہ صرف اپنے نفس کے حقوق ضائع ہوتے ہیں بلکہ معاشرہ کے حقوق بھی تلف ہوتے ہیں اور دنیا کے نظام میں فساد پیدا ہوتا ہے۔

جیسا کہ حیات ارضی کے باب میں ہم بیان کرچکے ہیں کہ دنیا کی زندگی بڑی اہمیت کی حامل ہے، اسے آخرت کی کھیتی کہا گیا ہے۔ ہم یہاں محنت کرکے جو کچھ بوئیں گے آخرت کی زندگی میں اسی کی فصل کاٹیں گے۔ اگر ہم کھیتی کو نظر انداز کرکے اور کاشت کے کام کو ترک کرکے یہ زندگی کسی خانقاہ میں بیٹھ کر مراقبوں، چلوں اور گیان دھیان میں ہی گزار دیں تو اس زندگی میں کیا صلہ پائیں گے۔ قرآن کی تعلیم تو یہ ہے کہ زمین اور آسمانوں میں جو کچھ بھی ہے

صرف اس لئے ہے کہ انسان کواللہ کے عطا کردہ خلافت ارضی کے منصب کے لیے تیار کیا جائے تا کہ وہ یہاں کی تمام مادی اور غیر مادی قوتوں کو تسخیر کر کے ان سے اپنی مرضی کے مطابق کام لے سکے اور اللہ تعالیٰ نے جو اسے علمی فضیلت عطا کر رکھی ہے اسے بروئے کار لا کر اللہ تعالیٰ کی معرفت کے سفر میں آگے بڑھتا چلا جائے اور اللہ تعالیٰ کا قرب اور دیدار حاصل کر سکے۔ جس انسان کواللہ تعالیٰ نے مسجودِ ملائک بنایا اگر وہ زمینی قوتوں کو زیرِ فرمان لانے کے لیے جدوجہد ہی نہ کرے یا انہیں اپنی اطاعت میں لگانے میں ناکام رہے تو اسے ربّ العالمین کی خوشنودی کیونکر حاصل ہو سکے گی۔ اس لیے اللہ کا دین نہ تو دنیا کو ترک کرنے کی اجازت دیتا ہے اور نہ ہی اس میں غرق ہو جانے کو پسند کرتا ہے بلکہ ایک متوازن اور حقیقی کامیابی کا ضامن لائحہ عمل عطا کرتا ہے اور اس روحانیت کی تعلیم دیتا ہے جس میں اللہ کا عطا کردہ جوہر ناروا مشقتوں میں پڑے بغیر، قلیل مدت میں ہی اپنے کمال کو پہنچ سکتا ہے۔ یہ مسلک اللہ کے قرب و رضا کو مقصودِ حیات قرار دے کر کائنات کو تسخیر اور انسانیت کی خدمت کرنے کا ہے۔ مادی دنیا کی تعمیر و تسخیر اور اختراعات و ایجادات کی جدوجہد میں مومن کا جھپٹنا پلٹنا بھی خون گرم رکھنے کے لیے ہوتا ہے تا کہ منزل کبریا کی طرف اس کی پرواز میں کسی قسم کی کوتاہی واقع نہ ہو۔ اس سفر میں مومن کے کمالات کی حد برق و بخارات سے چلنے والی مشینوں پر ہی ختم نہیں ہو جاتی بلکہ جمادات، نباتات اور حیوانات اور دیگر مادی قوتوں پر تصرف حاصل کرنے کے بعد مزید آگے بڑھ کر روحانی لطافت کے ذریعے زمان و مکان پر دسترس حاصل کر لیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے خصوصی تعلق رکھنے کی بنا پر مومن آفاق میں گم نہیں ہو جاتا بلکہ آفاق اس کے قلب کی وسعت میں گم ہو جاتے ہیں۔ مومن جب اللہ کے نور سے دیکھنے لگ جاتا ہے تو وہ زمان و مکاں کی حدوں کو پھلانگ جاتا ہے اور اس کے لیے دور و نزدیک اور ماضی و مستقبل سب سمٹ کر ایک نقطہ بن جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس کے قرب کا یہ لازمی نتیجہ ہوتا ہے کہ مومن میں اللہ کی صفات کا رنگ جھلکنے لگتا ہے، جس طرح لوہے کا ایک ٹکڑا آگ کی بھٹی میں تپ کر سراپا آگ بن جاتا ہے۔

آ گ کی حرارت اس کے ذرے ذرے کے اندر سرایت کر جاتی ہے تو وہ صورت اور سیرت میں آ گ ہی بن جاتا ہے۔ وہ دکھائی بھی آ گ کی طرح دیتا ہے اور جلاتا بھی آ گ کی طرح ہے۔ اس کیفیت کو وحدت الوجود کا دھندانہ بنایا جائے کیونکہ لوہا آتش صفت ہوتے ہوئے بھی لوہا ہی رہتا ہے۔ الغرض بندہ مومن شدت محبت سے مولا صفات بن جاتا ہے۔ اللہ کے آخری رسول ﷺ کا فرمان ہے کہ اللہ کے خاص بندے وہ ہیں کہ جنہیں دیکھ کر اللہ یاد آئے۔ ایک حدیث قدسی ہے کہ جب بندہ نوافل کے ذریعے میرا اقرب حاصل کرتا ہے تو میں اس کے کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور اس کی زبان بن جاتا ہوں جس سے وہ بولتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے مقرب بندوں کو علم لدنی یعنی اپنی طرف سے خصوصی علم اور اپنے فضل سے ایسی روحانی طاقتیں عطا فرماتا ہے کہ عام انسانوں کے لیے ان کو سمجھنا یا احاطہ کرنا ممکن ہی نہیں ہے۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے اپنے ان خاص الخاص بندوں کا ذکر جا بجا فرمایا ہے اور اپنے فضل سے جو معجزات اور نعمتیں انہیں عطا فرمائیں ان کا اجمالی نقشہ اس طرح ابھرتا ہے کہ ان کی فرماں روائی انسانوں کے علاوہ جنگلی درندوں، آبی و ہوائی جانوروں اور جنات تک پھیلی ہوئی تھی۔ ہوا کو ان کے لیے مسخر کر دیا گیا تھا۔ وہ ان کے حکم پر چلتی اور ان کا تخت ہوا کے دوش پر سفر کرتا تھا۔ وہ چیونٹیوں اور پرندوں کی زبان سمجھتے اور ان سے گفتگو کر سکتے تھے۔ وہ دور دراز مقامات سے بڑے وزنی مادی اجسام کو روحانی قوت کے بل بوتے پر پلک جھپکنے میں لا حاضر کرنے پر قادر تھے۔ ان کی نظریں تحت زمین اور عرش بریں دونوں کا مشاہدہ کر سکتی تھیں۔ وہ ماضی اور مستقبل کے اندر جھانک کر ازلی و ابدی حقائق سے آشنا ہو سکتے تھے۔ ان کی دعا سے آسمان سے من و سلویٰ نازل ہوتا اور دھوپ سے بچانے کے لیے بادلوں کے سائبان ان کے سروں پر سایہ مہیا کرتے۔ ان کا عصا ان کے ارادہ کے تحت اژدہا بن جاتا اور جب اسے اپنے ہاتھ میں لے لیتے تو پھر عصا کی صورت اختیار کر لیتا۔ ان کے عصا کی ضرب سے پتھروں سے چشمے جاری ہو جاتے اور دریا کا پانی رک جاتا۔ ان کی خدمت میں بے موسم کے پھل پیش کیے جاتے۔

انہیں خوابوں کی تعبیر اور کئی دوسرے سرّی علوم عطا کیے گئے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فیصلوں کا نفاذ ان کے ہاتھوں سے کراتا۔ وہ عجوبہ روزگار بزرگ کہیں یتیم کی کشتی توڑ کر کسی معصوم جان کو قتل کر کے اور کبھی کسی مومن کے یتیم بچوں کے خزانے کی حفاظت کی خاطر دیوار تعمیر کرتے نظر آتے ہیں۔ وہ اللہ کے اذن سے پیدائشی اندھوں اور کوڑھیوں کو اپنے مبارک ہاتھوں کے لمس سے شفایاب کرنے اور مردوں کو زندہ کردینے پر قادر تھے۔ وہ مٹی سے پرندوں کی مورت بنا کر اس میں پھونک مارتے تو وہ سچ مچ کے پرندے بن کر اڑ جاتے۔ تمام جمادات، نباتات اور حیوانات ان کو پہچانتے، ان کو سلام کرتے اور ان کے احکام کی تعمیل کرتے تھے۔ ان کی انگلی کے اشارے سے چاند دو ٹکڑے ہوگیا۔ ان کے چہرے کے تاثر سے قبلے کا رخ بدل دیا گیا۔ انہیں زمین و آسمان، جنت و دوزخ اور کرسی و عرش کے عجائبات کی سیر کرائی گئی اور مکالمہ اور قرب و دیدار سے مشرف فرمایا۔ زمین کے خزانوں کی چابیاں انہیں عطا کی گئیں۔ ان کے لعاب دہن کی برکت اور شیرینی نے سوکھے چشموں کو جاری اور کھارے پانی کو میٹھا کردیا اور کھانے کی تھوڑی مقدار سے سینکڑوں آدمیوں کی سیری ہوگئی۔ لعاب دہن نے جب مسیحائی کی تو سانپ کے زہر کا اثر زائل ہوگیا، آشوب چشم دور ہوگیا۔ تلواروں کے زخم بھر گئے اور آنکھ سے باہر نکلا ہوا ڈھیلا پھر سے پیوست ہوکر پہلے سے بھی زیادہ روشن بصر ہوگیا۔ اللہ تعالیٰ نے دشمنوں پر ان کی ہیبت طاری کردی اور میدان جنگ میں ان کی مدد کے لیے گھڑ سوار فرشتے نازل کیے گئے۔ ان کے قدموں میں بیٹھنے والے مساکین کو دنیا کی امامت و سیادت عطا ہوئی اور ان کے نامہ مبارک پھاڑ دینے والے مغرور شہنشاہ کی سلطنت کے پرزے اڑا دیئے گئے۔ ان کی مخالفت میں کھڑے ہونے والے تمام نمرود، فرعون، قارون، ہامان، ابوجہل اور ان کے بھائی بند اپنی طاقت اور لاؤلشکر کے باوجود اللہ کے شدید عذاب کی گرفت میں آکر عبرت ناک انجام کو پہنچے۔ ان کے نقش قدم پر چلنے والوں کے تحریری حکم پر دریاؤں میں طغیانی آجاتی ہے اور وہ درندوں کو حکم دے کر جنگل خالی کرا لیتے ہیں۔ وہ ہزاروں میل دور لڑنے والے مجاہدین کو گھر بیٹھے دیکھ لیتے اور وہیں سے ہدایات بھی جاری کردیتے ہیں۔

المختصر یہ اسلامی روحانیت کی برکتوں اور کرشمہ سازیوں کا ایک خاکہ ہے۔لیکن یہ بات ذہن میں بٹھالیں کہ اتنی عظیم روحانی طاقتوں کے مالک اور اللہ تعالٰی کے منتخب اور مقرب بندے کسی لحاظ سے بھی تارک دنیا ہرگز نہیں تھے۔تقریباً سبھی نے بھرپور دنیوی زندگی بسر کی، کام کاج کیے، شادیاں کیں اور صاحب اولاد ہوئے۔ان میں بھیڑبکریاں چرانے والے، بڑھئی، کاشت کار، طبیب، کپڑا بننے والے، لوہے اور تانبے کی صنعت کے ماہرین، تاجر، زمین کے خزانوں اور معاشیات کے ماہر، بڑے بڑے ہیکل اور محل بنانے والے ماہر تعمیرات، پہاڑوں کی گھاٹیوں کو لوہے کی دیوار سے پاٹ دینے والے انجینئر اور بڑے بڑے فاتحین اور حکمران بھی تھے بلکہ بہت سے علوم اور صنعتوں کی ابتداء ان بزرگ ہستیوں کے ساتھ ہی منسوب کی جاتی ہے۔

یہی حقیقی روحانیت کی راہ ہے اور اسی پر چل کر انسان اپنا مقصود حیات حاصل کرسکتا ہے۔

علامہ اقبالؒ مومن کی فقیری کا رنگ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

فقر مومن چیست ؟ تسخیر جہات
بندہ از تاثیر او مولا صفات
ہستی او بے جہات اندر جہات
او حریم و در طوافش کائنات

”تمہیں کچھ خبر ہے کہ مومن کا فقر کیا ہے۔اس کا ہدف تو ہر چیز کو مسخر کرلینا ہے۔ اس جدوجہد اور اللہ کے قرب کے نتیجے میں اس میں اللہ کی صفات کا رنگ جھلکنے لگتا ہے۔ مومن اگرچہ دنیائے رنگ و بو جہان شش جہات میں گھرا ہوا ہے لیکن اس کی اپنی حقیقت ان حدود سے ماوراء ہے۔وہ خاک کا لباس پہنے ہوئے ضرور ہے لیکن خاک سے پیوستہ نہیں ہے۔ یہ ساری کائنات مادی ہے لیکن مومن کی اصل عالم امر سے ہے۔وہ مرکز کائنات ہے۔ تمام کائنات اس کے لیے پیدا کی گئی ہے اور اسی کے گرد طواف کررہی ہے۔“

اس دستور حیات کے تحت مرد مومن جدوجہد سے بھرپور زندگی بسر کرتا ہوا اللہ کے

قرب و دیدار کی منزل کی طرف بڑھتا چلا جاتا ہے۔ وہ دنیا کی نعمتوں اور کاروباری گہما گہمیوں میں گھرا ہوا ہو تب بھی اس کا دل اللہ کے ذکر سے غافل نہیں ہوتا۔ اس کی راحت کا سامان اور قلب کا اطمینان نماز اور اللہ کا ذکر بن جاتا ہے۔ دنیا میں رہتے ہوئے بھی وہ قلبی طور پر دنیا و مافیہا کی محبت اور خوف و حزن سے آزاد ہوتا چلا جاتا ہے۔ اس لائحہ عمل کو آپ اسلامی روحانیت، اسلامی تصوف، سلوک و طریقت، احسان و حکمت یا اخلاص عمل میں سے جو چاہے نام دے لیں لیکن یہ انسانی جبلت اور فطرت کے تقاضوں کے عین مطابق ہے۔ عالم گیر شریعت کی سچائی معلوم کرنے کی ایک پرکھ یہ ہوتی ہے کہ اگر اس تعلیم کو پوری دنیا اپنا لے تو ہر طرف امن و امان اور ترقی و خوشحالی کا دور دورہ ہو جائے اور یہ دنیا جنت کا نمونہ بن جائے۔

اب ذرا رہبانیت کی تعلیم کو اس کسوٹی پر پرکھ کر دیکھیں۔ خدانخواستہ اگر دنیا کے سارے انسان رہبانیت کو اپنا کر لنگوٹیاں پہن لیں اور آبادیوں کو چھوڑ کر جنگلوں، پہاڑوں، مندروں اور خانقاہوں میں جا بسیں تو دنیا کا جو حال ہوگا اس کا اندازہ لگانا دشوار نہیں۔ اللہ تعالیٰ کے آخری رسول ﷺ نے روحانی طاقت اور اللہ کی معرفت حاصل کرنے کے جو طریقے تعلیم فرمائے ہیں وہ انتہائی سہل العمل اور سریع الاثر ہیں۔ اسلام کے تصوف میں نہ مسلسل فاقے کرنا ہے نہ گوشہ نشینی ہے نہ ہی دنیا کو ترک کر کے جنگلوں میں جانے کی اجازت ہے۔ نہ راتوں کو جاگنا پڑتا ہے۔ نہ خانقاہوں میں بند ہو کر چلے کاٹنے پڑتے ہیں۔ اس کے باوجود یہ طریقے اس قدر موثر ہیں کہ ان پر عمل کرنے سے برسوں کا راستہ مہینوں میں طے ہوتا ہے اور وہ روحانی دولت حاصل ہوتی ہے جو کسی دوسرے طریقے سے حاصل نہیں ہو سکتی۔ اس فطری عمل میں روحانیت کے حصول کا اہم ترین ذریعہ نماز کی پابندی کے ساتھ ساتھ اللہ کا کثرت کے ساتھ ذکر کرنا ہے وہ چلتے پھرتے، اٹھتے بیٹھتے، کھڑے لیٹے اور کام کاج کے دوران ہر جگہ اور ہر وقت کیا جاتا ہے۔ اس ذکر کی اہمیت اور فضیلت پر قرآنی آیات اور حضور ﷺ کی احادیث شاہد ہیں۔ ذکر اللہ کا یہ طریقہ اس قدر آسان ہے کہ اس کے لیے مطلق وقت درکار ہی نہیں ہوتا کیوں کہ یہ ذکر سانس کے ساتھ کیا جاتا ہے

یعنی جودم غافل سودم کافر والے اصول پر عمل کیا جاتا ہے۔ بقول شاعر:

مرد بن، غافل نہ ہو، ذکر خدا سے پیار رکھ
ہاتھ پاؤں کام میں اور دل کو سوئے یار رکھ

اس ذکر کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ جو سانس اندر جائے اس کے ساتھ بھی اللہ اور جو سانس باہر آئے اس کے ساتھ بھی لفظ اللہ اس طرح کہا جاتا ہے کہ دل کہے اور کان سنیں۔ اس راہ پر چلنے کے لیے جو دو باتیں بنیادی حیثیت رکھتی ہیں وہ استعداد اور استاد۔ یعنی انسان کے دل میں حصول مراد کے لیے طلب صادق موجود ہو اور اس کے ساتھ مرشد کامل میسر آجائے۔ یہ دونوں باتیں حاصل ہو جائیں تو اللہ کے فضل و کرم سے منزل نزدیک اور آسان ہو جاتی ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کا دین کامل ہو چکا ہے اور کوئی نعمت ایسی نہیں جو اس میں شامل نہ ہو تو پھر روحانی قوت اور فقیری کے حصول کے لئے اسوہ رسول مقبول ﷺ کے علاوہ اور شریعت سے باہر کسی دوسرے طریقے کی ضرورت محسوس کرنا دین کاملیت سے انکار کرنے کے مترادف ہے۔ اسلام کے تصوف میں ایک سالک دنیا کے سارے کام احسن طریقے سے انجام دیتے ہوئے اور تمام نعمتوں سے لطف اندوز ہوتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے قرب و دیدار کی نعمت سے مشرف ہو سکتا ہے۔ اس تصوف کی ترویج کے لیے اس صدی کے عظیم صوفی اور روحانی علوم کے محقق بزرگ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے سلسلہ عالیہ توحیدیہ قائم فرمایا۔

پاکستان

(حکیم محمد سعیدؒ)

انسانی نقطۂ نگاہ سے عالم کون و مکاں کے نمایاں ترین پہلو وہ ہیں: خارجی حقائق اور ان سے متعلق جذبات و احساسات۔ ان دونوں کے باہمی تعلق کی صحیح شکل کا نام خیر اور غلط شکل کا نام شر ہے اس امر کی طویل فکری تشریح کے بجائے ایک ٹھوس مثال پیش کرتا ہوں تا کہ بات فوراً واضح ہو جائے۔

انسان کسی خطے یا ملک میں جنم لیتا' پلتا بڑھتا اور رہتا بستا ہے۔ یہ ایک خارجی حقیقت ہے اپنے وطن سے لگاؤ پر مبنی اس کا وہ جذبہ جس میں وہ سرشار ہوتا ہے' اس خارجی حقیقت کا دوسرا پہلو ہے۔ اس کی بھی دو صورتیں ہو سکتی ہیں: وطن سے محبت یا وطن سے نفرت۔ اس سے کسی شخص کو انکار نہیں ہو سکتا کہ اپنے ملک کے ساتھ بے تعلقی' سرد مہری' نفرت اور دشمنی کا جذبہ ہرگز مستحسن نہیں سمجھا جاتا' بلکہ اگر بے تعلقی ظاہر کی جائے تو اسے مذموم گردانا جاتا ہے۔ انسان کی پوری تاریخ میں ایک بھی ایسا معاشرہ نہیں ملے گا جس نے اپنے وطن کی محبت کے گیت نہ گائے ہوں۔ <u>اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ وطن سے محبت' معاشرے کی بقا و سلامتی اور ترقی و عروج کی ضامن ہے۔</u>

ٹھیک یہیں پر وہ حدِ فاصل قائم ہوتی ہے جس کا لحاظ صرف ان افراد اور معاشروں میں پایا جاتا ہے جو وطن کو الوہیت کا درجہ نہیں دیتے۔ بہ نظر غائر دیکھیے تو صاف پتا چلے گا کہ وطن انسانی تہذیب کا گہوارہ بھی ہے اور مرقد بھی۔ اس کا یہ دوسرا روپ اس وقت رنگ لاتا ہے جب اسے فی نفسہٖ صحیح و غلط' نیک و بد اور خیر و شر کی فیصلہ کن کسوٹی سمجھ لیا جائے۔ مغربی وطنیت کا یہی المیہ ہے جس نے پورے کرۂ ارض کو اپنی سائنسی قہرمانیت کے ساتھ متاثر کیا ہے۔ عصر حاضر کی بین الاقوامیت کو فروغ دینے کی مساعی میں مغرب اور اس سے مرعوب ممالک کی یہی روش ہمالیہ کی طرح حائل ہے۔ اس صورت میں حال کی ہولناکی کا نقشہ اقبالؒ نے اس طرح کھینچا ہے:

ان تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے — جو پیرہن اس کا ہے وہ مذہب کا کفن ہے
یہ بت کہ تراشیدۂ تہذیب نوی ہے — غارت گر کا نشانہ دین نبوی ہے
بازو ترا توحید کی قوت سے قوی ہے — اسلام ترا دین ہے تو مصطفوی ہے

توحید کے تحت انسان کا جو وطن بنتا ہے اس میں ضمیت کا کوئی شائبہ نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمان کا وطن اس کی عالم گیریت اور انسان دوستی میں کسی قسم کی رکاوٹ نہیں بنتا' بلکہ وہ انھیں اپنی پوری توانائیوں کے ساتھ پروان چڑھاتا ہے۔ اس سے بھی زیادہ صحیح اظہار حقیقت یہ ہوگا کہ مسلمان کے وجود کی علت غائی اس کے سوا اور کچھ نہیں ہوتی کہ وہ توحید کے ناگزیر تقاضوں کو اپنی حدود کے اندر بھی اور کرۂ ارض کی پہنائیوں میں بھی بلاامتیاز پھیلا دینے کا لازمی ذریعہ ہوتا ہے۔ ظلمت عالم کو دور کرنے کے لیے مسلمان کا وطن مینارۂ نور ہوتا ہے جس کی بنیادیں زمین کی تہوں میں پیوست کیے بغیر کوئی چارہ نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ "اسلام ترا دیس" پکارنے والے اقبالؒ نے برصغیر کے نقشے پر قیام پاکستان کا خواب دیکھا اور اسے شرمندۂ تعبیر کرنے کے لیے محمد علی جناح کو قیادت پر اُبھارا۔ پھر کتنی اور کیسی کیسی قربانیوں سے یہ ملک معرض وجود میں آیا!

حقیقت کو قریب ترین زاویے سے دیکھیے تو یہ راز بھی اس تناظر میں آپ پر کھلے گا کہ ہدایت انسانی کے لیے اللہ کے آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے پوری دنیا کو مسجد کیوں قرار دیا ہے اگر وطن کی مٹی سے محض مٹی کی خاطر آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پیار ہوتا تو مکہ کو خیر باد کہہ کر سینکڑوں میل دور اپنا نیا وطن تعمیر کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی؟

مملکت مدینہ کے بعد تحریک اسلام کے زیر اثر چودہ صدیوں میں تاریخ کی کوکھ سے جنم لینے والا دوسرا ملک پاکستان ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ ہماری محبت کا مرکز ہے۔ ہمیں پاکستان سے محبت ہے اور ہمیں اس سے والہانہ محبت ہونی چاہیے' کیوں کہ یہ اس عالم گیریت کی بنیاد اور نشان ہے جس کے لیے مسلمان کو اس عالم آب وگل میں بھیجا گیا ہے۔ پاکستان سے ہماری محبت اس سلسلہ محبت کی اہم کڑی ہے جس کا سرچشمہ ذات باری کی ربّ العالمینی ہے۔

اسلام اور معاشرتی ذمہ داریاں

(ڈاکٹر ملک غلام مرتضیٰ)

اسلام میں بندوں کے حقوق کی اہمیت اللہ تعالیٰ کے حقوق سے بھی زیادہ ہیں، بے شمار احادیث میں یہ بات بیان ہوئی ہے کہ اللہ تعالیٰ حسب منشا اپنے حقوق کو معاف فرمادیں گے۔ لیکن بندوں کے حقوق کو اس وقت تک معاف نہیں فرمائیں گے جب تک کہ مظلوم کو اس کا حق دلوانہ دیں۔حقوق العباد کی اہمیت اس اعتبار سے بھی زیادہ ہے کہ حقوق العباد بیک وقت حقوق العباد بھی ہیں اور حقوق اللہ بھی ۔ یہ حقوق اللہ کے زمرہ میں اس لیے آجاتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کے ہی احکام میں اور اللہ تعالیٰ کا حق ہے کہ اس کے ہر حکم کی اطاعت کی جائے۔

اسلام نے حقوق العباد کے تعین کے ذریعہ انسان پر اس کی معاشرتی ذمہ داریاں واضح کردیں اور ان کی اہمیت اس حد تک بڑھائی کہ انہیں حقوق اللہ پر بھی فوقیت دے دی۔ ایک اسلامی معاشرے کے حق کو ہمیشہ ہمیشہ اپنے حق پر ترجیح دے، اگر ذرا بھی دوسرے شخص کا حق تلف ہوگیا تو رزق حلال نہ رہا۔دنیا میں بھی زرق سے برکت اُٹھ گئی اور آخرت میں بھی خیر نہیں۔ یعنی مزاج میں یہ بات ڈال دی گئی ہے کہ یہ احتیاط کرلو کہ کسی نہ کسی طرح سے اپنا حق دوسرے کے حصے میں چلا جائے ایسا نہ ہو کہ دوسرے کا حق اپنے حصہ میں پہنچ جائے اور ساری کی ساری کمائی حرام یا مشتبہ بن جائے۔اسلام میں جس بات کو پروان چڑھانے کی کوشش کی گئی ہے وہ احسان ہے۔احسان کے معنی ہیں دوسرے شخص کو اس کے حقوق سے زیادہ دینا۔یہی بات قارون سے بھی کہی گئی تھی۔کہ ''اے قارون! جس طرح اللہ تعالیٰ نے تجھے تیرے اصل حق سے زیادہ دیا ہے تو بھی مخلوقِ خدا کو ہمسایوں کو غریبوں کو اور اپنے ہاں رکھے ہوئے مزدوروں کو ان کے اصل حق سے زائد دیا کر۔''

محض عدل وانصاف تو ان لوگوں پر قائم کیا جاتا ہے جو درجہ احسان سے فروتر ہوں، بلکہ دوسروں کے حقوق مارنے کے لیے تیار بیٹھے ہوں۔یعنی بات یوں بنی کہ اسلام تیار تو احسان

کے لیے کرتا ہے اور اگر کوئی تیار نہ ہو سکے تو کم از کم عدل کے درجہ تک رہنے پر مجبور کر دیتا ہے۔یہ بات ایک عملی مثال کے ذریعے سے سمجھائی جا سکتی ہے۔اسلامی معاشرے میں ایک کارخانہ دار اور مزدور کا رشتہ انتہائی حسین رشتہ ہے، بجائے اس کے کہ آجر و مزدور دونوں اپنے اپنے حقوق حاصل کرنے کے پیچھے پڑے رہیں اور باہم دست و گریباں ہوں' اسلام نے دونوں طرف محبت اور جوڑ پیدا کرنے کے لیے عجیب طریقہ اختیار کیا ہے۔

کارخانہ دار سے یہ کہا کہ یہ مزدور اللہ تعالیٰ نے تیری کفالت و ماتحتی و ہمسائیگی میں دیئے، بجائے عدل کے تو ان کے ساتھ احسان کا روّیہ اختیار کر۔ان کی دیکھ بھال، ان کی تمام ضرورتیں تیری ذمہ داری ہے۔اگر ان کی مزدوری دس روپے ہے تو ان پر احسان کرتے ہوئے کبھی کبھی انہیں بارہ روپے دے دیا کرو۔انہیں اپنی عید میں شامل ہونے کے قابل بناؤ اور ان کی شادی و غمی میں خود شریک رہا کرو۔کارخانہ دار کو احسان پر ابھارنے کے ساتھ ساتھ مزدور کو بھی احسان پر ابھارا۔اسے یوں کہا کہ اگر تم نے وقت مقررہ سے کم وقت کام کیا یا وقت مقررہ کے دوران تندہی سے کام نہ کیا تو تمہارا رزق حلال نہیں ہوگا۔اور حرام رزق کا نتیجہ دنیا اور آخرت میں بربادی ہے۔اس حرام رزق سے بچنے کے لیے احتیاط اسی میں ہے کہ کام تندہی سے کرو اور اگر تمہاری ڈیوٹی سات گھنٹے کی ہے تو کبھی کبھی ساڑھے سات گھنٹے کام کیا کرو۔دونوں طرف سے محبت اور جوڑ کا رشتہ پیدا کیا۔غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ احسان وہ عمل ہے جو محبت کی وجہ سے ہوتا ہے اور محبت کا باعث بھی ہوتا ہے یعنی وہ شخص جس کے مزاج میں محبت نہیں ہے وہ احسان کا عمل نہیں کر سکتا۔احسان کی بنیاد میں محبت موجود ہے اور احسان کرنے کے بعد جس شخص سے احسان کیا جاتا ہے اس کے دل میں محبت پیدا ہو جاتی ہے۔تو معلوم ہوا کہ احسان کا عمل ایک ایسا عمل ہے کہ جس کے شروع کرنے سے محبت کا حسین چکر چل پڑتا ہے۔ہر احسان کے جواب میں مزید احسان اور محبت در محبت کی کیفیت انسان میں باہم دو دیگر پیدا ہو جاتی ہے۔

قرآن وحدیث کے مطالعے سے ایک حسین بات اُبھر کر سامنے آتی ہے اور وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انسان کے اندر محبت بھرا مزاج پیدا کرنا چاہتے ہیں۔جس طرح سے وہ خود محسن ہیں

ُرحیم ہیں اسی طرح سے ہر انسان کو اور خصوصاً مسلمان کو اپنی حمایت اور رحیمیت کے رنگ میں رنگنا چاہتے ہیں ۔حدیث شریف میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: ”مومن الفت کا منبع و مرکز ہوتا ہے اور اس شخص میں کوئی خیر نہیں جو دوسروں سے اُلفت نہ کرتا ہو اور لوگ اس سے اُلفت نہ رکھتے ہوں ۔“ ایک جگہ فرمایا: ”جو شخص نرم دلی اور محبت بھرے مزاج سے محروم ہو گیا وہ بھلائی سے محروم ہو گیا“ ۔ایک جگہ یوں فرمایا: ” آپ مومنین کو اس حال میں دیکھیں گے کہ آپس میں ایک دوسرے سے مہربانی دوستی اور محبت اس درجہ تک رکھتے ہیں کہ ایک جسم کی مانند ہیں کہ جسم کے ایک عضو کو تکلیف ہوتی ہے تو سارے جسم کو اس تکلیف کا احساس ہوتا ہے اور پورا جسم بخار اور بیداری میں مبتلا ہو جاتا ہے“ ۔

اسی طرح آپ ﷺ نے فرمایا: ”ایک مومن تعلق کے اعتبار سے دوسرے مومن کے لئے ایک عمارت کا درجہ رکھتا ہے جس طرح عمارت کا ایک حصہ دوسرے حصے کو سہارا دیتا ہے اور مضبوط بناتا ہے اسی طرح سے ایک مومن دوسرے مومن کے لیے سہارا ہوتا ہے ۔یہ بات واضح کرنے کے لیے آپ نے اپنے ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں ڈال دیں“

اب آیئے ! ہم دیکھیں کہ محبت کا یہ جذبہ جس کا مظہر احسان کا عمل ہے، ایک اسلامی معاشرے میں درجہ بدرجہ کس طرح سے معاشرتی ذمہ داریاں پوری کرواتا ہے ۔

انسانی معاشرے میں مختلف دائرہ کار ہیں اور ہر جگہ انسان کی معاشرتی ذمہ داریاں اس دائرہ کے تقاضوں کے مطابق ہیں ۔سب سے پہلا دائرہ انسان کا گھر ہے ۔حضور ﷺ نے فرمایا: ”یعنی تم میں سب سے بہتر وہ شخص ہے جو اپنے گھر والوں کے ساتھ سلوک کے اعتبار سے اچھا ہو“ یہاں پر بیوی بچوں اور والدین کے حقوق آتے ہیں اور شریعت میں ان کی انتہائی اہمیت بیان کی گئی ہے ۔معاشرے کی اصل اکائی اس کا گھر ہے ‘پھر اس کے قرابت دار ہیں ۔اپنے گھر ،والدین اور قرابت داروں کی کفالت اس کی سب سے اوّلین ذمہ داری ہے ۔زکواۃ و صدقات کے بھی زیادہ مستحق وہ غرباء ہیں جو قرابت دار بھی ہوں ۔ بہت سی احادیث میں ہے کہ بہترین صدقہ اپنے والدین اور قرابتداروں پر روپیہ خرچ کرنا ہے ۔قرابت دار یتیم کی کفالت کو تو بہت ہی

اہمیت دی گئی ہے۔صلہ رحمی کے اس قدر فضائل بیان کئے گئے ہیں کہ اگر وہ سب لوگوں کے علم میں آجائیں تو کبھی رشتہ داروں میں ناچاقی نہ ہو۔دیکھیے! حضور ﷺ نے فرمایا: ''یعنی صلہ رحمی کرنے والا شخص وہ نہیں ہے جو بھلائی کا بدلہ بھلائی سے دے بلکہ صلہ رحمی کرنے والا تو وہ ہے کہ جب رشتہ دار اس سے تعلق توڑ لیں' وہ پھر بھی ان سے تعلق جوڑے۔'' اس طرح سے خاندان کے ہر فرد کو دوسرے فرد کی بھلائی کا ذمہ دار بنا دیا گیا اور ان میں گہرا ربط و محبت پیدا کر دیا۔

معاشرتی ذمہ داریوں کے سلسلہ میں خاندان کے بعد دوسرا دائرہ کار انسان کا محلّہ ہے۔ ہمسائے سے ہمسائے کا تعلق ۔اسلام میں اس کو بہت اہمیت دی گئی ہے۔اسلام میں ایک ہمسائے کو دوسرے ہمسائے کا کفیل بنایا گیا ہے۔حضور ﷺ نے فرمایا: ''یعنی وہ شخص مومن نہیں ہے کہ وہ خود تو پیٹ بھر کھالے اور اس کا ہمسایہ اس کے پہلو میں بھوکا ہو''۔ایک اور جگہ فرمایا: ''یعنی قیامت کے دن جھگڑے کے سب سے پہلے فریق جن کا قضیہ چکایا جائے گا وہ ہمسائے ہی ہوں گے۔''

مطلب یہ ہے کہ ہمسائے کا ہمسائے سے تعلق اتنا اہم ہے کہ سب سے پہلے اسی کا فیصلہ کیا جائے گا۔صحابہ تابعین حتیٰ کہ تمام اللہ والوں کا یہ عمل رہا ہے کہ کھانے پینے اور علاج معالجہ وغیرہ کے سلسلہ میں اپنے گھر کے کم از کم چالیس قریب ترین مکانوں کو نظر میں رکھتے اور ان کی باقاعدہ کفالت کیا کرتے تھے۔۔میں کہتا ہوں اگر آج صرف یہی حدیث لوگوں کے دلوں میں اتار دی جائے تو آج شام تک ہمارے معاشرے میں کوئی شخص بھوکا اور ننگا نہیں رہے گا۔

معاشرتی ذمہ داریوں کا تیسرا دائرہ کار پورا شہر ہے۔جہاں انسان تاجر افسر یا ایک پیشہ ور ماہر کی حیثیت سے اپنا رزق کماتا ہے۔اس مختصر وقت میں حضور ﷺ کے ارشادات کا احاطہ کرنا ممکن نہیں ہے۔آپ ﷺ نے ایک دیانت دار تاجر کا مقام صحابہ و شہداء کے مقام سے قریب قرار دیا' ایک عادل حاکم کا درجہ عام اولیاء اللہ سے زیادہ قرار دیا۔یہی صورت حال دیگر پیشہ ور ماہرین کے بارے میں ہے۔ذخیرہ اندوزی' چور بازاری' زیادہ نفع خوری' رشوت ستانی' ملاوٹ ایسے جرائم ہیں جن کے لیے اسلام میں سخت ترین سزائیں تجویز کی گئیں ہیں۔ہر مسلمان شہری کا فرض ہے کے نہ صرف وہ ان جرائم سے باز رہے' بلکہ جو لوگ ان سماج دشمن کاموں میں ملوث ہوں ان کو کسی قسم کا

کوئی تحفظ نہ دے اور انہیں فوری طور پر قانون اسلامی کے حوالے کر دے۔

شہر کے ہر کھاتے پیتے اور امیر آدمی کی ذمہ داری قرار دی گئی کہ وہ غریب اور مستحق کی تلاش کرے۔ اسے آخر زکوٰۃ صحیح جگہ پر دینی ہے۔ بہت سے صدقات ادا کرنے ہیں۔ وہ لوگوں میں گھوم پھر کر مستحقین اور سفید پوش، خود دار غریبوں کو خود تلاش کرے۔ انتہائی خاموشی اور اخفاء کے ساتھ ان کی مدد کرے اور ان کا شکریہ ادا کرے کہ انہوں نے اسے خدمت کا موقع دیا اور اس کی خدمت کو قبول فرمایا۔ معاشرتی ذمہ داریوں کا چوتھا دائرہ پورا ملک ہے۔ پورے ملک کا دفاع۔ ہاں! ملک کی نظریاتی سرحدوں کا دفاع۔ یہ ہر مسلمان کی معاشرتی ذمہ داری ہے کہ وہ خود بھی دین کا علم حاصل کرے اور اسے دوسروں تک بھی پہنچائے۔ دعوت دین ہر شخص کی ذمہ داری ہے' اس کے لیے عالم ہونا شرط نہیں ہے' کیونکہ حضورﷺ نے فرمایا: ''آپ کو ایک آیت بھی آتی ہو تو وہ بھی مجھ سے آگے لوگوں تک پہنچا دو۔'' اگر مسلمان حق کی تبلیغ نہیں کریں گے تو اہل باطل انہیں باطل کی تبلیغ کریں گے۔ حق و باطل کی اس کشمکش میں جو کبھی ختم ہونے والی نہیں ہے۔ تمام مسلمانوں کو حق کی حمایت اور دین کی تبلیغ میں اہم کردار ادا کرنا ہے۔ اس ذمہ داری کے ادا کرنے سے باقی تمام معاشرتی ذمہ داریاں ادا ہوں گی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ محبت کا جذبہ اور احسان کا عمل جو تمام معاشرتی ذمہ داریوں کو پورا کرنے کی قوت ہے وہ صرف دین کی تبلیغ سے ہی حاصل ہو سکتا ہے۔

معاشرتی ذمہ داریوں کا پانچواں دائرہ پوری دنیا بالعموم اور اُمت مسلمہ بالخصوص ہے۔ مسلمان کی زندگی ایک پیغام ہے اور اسے ساری دنیا کے لیے اللہ تعالیٰ کا پیامی بنا کر بھیجا گیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے: ''تم بہترین اُمت ہو جو لوگوں کے لیے بھیجی گئی ہے۔ تمہارا کام ہے کہ لوگوں کو نیکی کا حکم دو اور برائیوں سے روکو اور اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھو۔'' دین کے اس پیغام کو عمومی انداز میں پوری دنیا کے سامنے پیش کر دینا اور پھر جو اس پیغام کو قبول کر لیں اور ان کو اُمت مسلمہ کے رشتہ میں پرو دینا۔ یہ بالکل ایسے ہے کہ پوری اُمت مسلمہ کو ایک خاندان کی شکل دے دی جائے جو وطن، زبان، نسل کی تمام تنگنائیوں سے بالاتر ہو کر صرف نظریاتی وحدت میں گم ہو جائیں اور وہ وحدت عقیدہ لا الٰہ الا اللہ مُحمد رسُولُ اللہ کی وحدت ہے۔

اِیفائے عہد

(طالب الھاشمی)

ایفائے عہد یعنی عہد یا وعدہ پورا کرنا اخلاق حسنہ کی ایک اہم شاخ ہے اور اس کی ضد وعدہ خلافی ہے۔قرآن واحادیث میں جابجا ایفائے عہد کی تاکید اور وعدہ خلافی کی مذمت کی گئی ہے رحمت عالمﷺ کی حیات طیبہ پر ایک نظر ڈالیں تو معلوم ہوگا کہ دوسرے تمام اوصاف وکمالات کی طرح ایفائے عہد کی صفت بھی آپﷺ کی فطرت پاک میں ودیعت کی گئی تھی۔بعثت سے پہلے بھی اور بعد میں حضورﷺ نے ہمیشہ ہر حال میں اپنا وعدہ پورا کیا اور صحابہ کرام کو بھی ہر حالت میں وعدہ پورا کرنے کی تاکید فرمائی بشرطیکہ کوئی ایسی رکاوٹ نہ پیش آجائے جس پر ان کا اختیار نہ ہو۔

آنحضورﷺ کی حیات اطہر میں ایفائے عہد کے لاتعداد واقعات ملتے ہیں۔ان میں سے کچھ یہ ہیں:

☆...... حضرت عبداللہ بن ابی الحمساءؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہﷺ کی بعثت سے پہلے آپﷺ سے خرید وفروخت کا ایک معاملہ کیا۔میں نے آپﷺ سے کہا کہ آپ یہیں ٹھہریے میں ابھی آکر حساب کردوں گا۔آپﷺ نے وعدہ کیا کہ میرے آنے تک وہ یہیں ٹھہریں گے۔پھر میں بھول گیا۔تین دن بعد مجھے یاد آیا تو اس جگہ پہنچا جہاں آپ کو چھوڑ کر گیا تھا دیکھا کہ آپﷺ اسی جگہ موجود ہیں جہاں آپ کو چھوڑ کر گیا تھا۔مجھے دیکھ کر آپﷺ نے (صرف اتنا) فرمایا: تم نے مجھے بڑی مشکل میں ڈالا اور بڑی تکلیف دی' میں تین دن سے یہیں تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔

☆...... غزوۂ بدر میں کفار کے مقابلے میں مسلمانوں کی تعداد ایک تہائی سے بھی کم تھی اور ان کے لیے ایک ایک آدمی کی بھی اشد ضرورت اور اہمیت تھی۔حضورﷺ کے دو صحابی حضرت حسیل الیمان

اور حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہما مکہ سے مدینہ آرہے تھے۔ کہ کفار نے ان کو پکڑ لیا اور اس شرط پر رہا کر دیا کہ وہ لڑائی میں مسلمانوں کا ساتھ نہ دیں گے۔ یہ دونوں بزرگ رہائی پا کر رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور جو کچھ ان پر گزری تھی اسے بیان کر کے عرض کیا کہ یہ مجبوری کا عہد تھا ہم اپنے مسلمان بھائیوں کے ساتھ مل کر کافروں کے خلاف ضرور لڑیں گے حضور ﷺ نے فرمایا: نہیں! تم اپنا وعدہ پورا کرو اور لڑائی کے میدان سے واپس جاؤ، ہمیں صرف اللہ تعالیٰ کی مدد درکار ہے۔

☆...... حضرت ابو رافعؓ روایت کرتے ہیں کہ قبول اسلام سے پہلے مجھے مشرکین قریش نے قاصد بنا کر نبی ﷺ کی خدمت میں بھیجا، جب میں نے حضور ﷺ کو دیکھا تو اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں اسلام کی محبت ڈال دی۔ میں نے عرض کیا' یا رسول اللہ! اللہ کی قسم! میں ہرگز قریش کے پاس واپس نہیں جاؤں گا۔ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں عہد شکنی نہیں کرتا اور نہ قاصدوں کو روکتا ہوں' تم واپس قریش کے پاس جاؤ' اگر وہاں بھی تمہارے دل میں اسلام کی ویسی محبت ہو جیسی اب ہے تو پلٹ کر آ جانا۔ چنانچہ میں قریش کے پاس واپس گیا' پھر واپس آ کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اسلام قبول کیا۔

☆...... صلح نامہ حدیبیہ میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ مکہ سے جو شخص مسلمان ہو کر رسول اکرم ﷺ کے پاس مدینہ جائے گا' اہل مکہ کے مطالبے پر اس کو واپس مکہ بھیج دیا جائے گا۔ ابھی معاہدے کی شرطیں لکھی جا رہی تھیں ایک مسلمان حضرت ابو جندلؓ مشرکین کی قید سے بھاگ کر حدیبیہ پہنچے مشرکین نے قبول اسلام کے جرم میں ان کو ایک مکان میں بند کر رکھا تھا اور ان کے پاؤں میں بیڑیاں ڈال رکھی تھیں۔ وہ کسی طرح قید خانے سے نکل کر بیڑیوں سمیت اس حالت میں حدیبیہ پہنچے کہ پنڈلیوں سے خون ٹپک رہا تھا۔ مسلمان ان کو اس حال میں دیکھ کر تڑپ اُٹھے اور ان کو اپنی پناہ میں لینا چاہا لیکن رسول اکرم ﷺ نے حضرت ابو جندلؓ سے مخاطب ہو کر فرمایا:

''اے ابو جندل! صبر کرو' میں قریش مکہ سے جو عہد کر چکا ہوں اسے نہیں توڑوں گا

تم مکہ واپس جاؤ' اللہ تعالیٰ تمہارے لیے کوئی اور راستہ نکالے گا۔'' چنانچہ حضرت ابو جندلؓ مکہ سے واپس چلے گئے۔

☆...... ۱۳ بعد بعثت میں ۷۵ اہل مدینہ نے مکہ معظّمہ جا کر (لیلۃ العقبہ) میں رسول اکرم ﷺ کے دست مبارک پر بیعت کی تو اس موقع پر انہوں نے عرض کیا۔

یا رسول اللہ! ہمارے یہود مدینہ سے پرانے روابط اور تعلقات ہیں' اب اس بیعت کے بعد یہ تمام روابط اور تعلقات ختم ہو جائیں گے۔ ایسا نہ ہو کہ جب اللہ تعالیٰ آپ کو غلبہ ونصرت عطا فرمائے تو آپ ہمیں تنہا چھوڑ کر مدینہ سے اپنے وطن مکہ واپس چلے آئیں۔

انصار (اہل مدینہ) کی بات سن کر حضور ﷺ نے فرمایا:

''نہیں ایسا ہرگز نہ ہوگا بلکہ میری جان تمہاری جان کے ساتھ' میرا تن تمہارے تن کے ساتھ' میرا مرنا جینا تمہارے ساتھ ہوگا' تم جس سے لڑو گے میں بھی اس سے لڑوں گا' تم جس سے صلح کرو گے' میں بھی اس سے صلح کروں گا۔''

تاریخ شاہد ہے کہ آنحضور ﷺ نے اپنا یہ عہد اس طرح نبھایا کہ مدینہ منورہ کو ہمیشہ کے لیے اپنا وطن بنا لیا' یہاں تک کہ جب سارا عرب آپ ﷺ کے زیر نگیں ہو گیا اس وقت بھی آپ ﷺ نے مدینہ نہ چھوڑا۔ ہجرت کے بعد آپ ﷺ چار مرتبہ مکہ معظّمہ تشریف لے گئے۔ (عمرہ یا حج کے لیے) لیکن محض مسافرانہ حیثیت سے وہاں قیام فرمایا اور پھر مدینہ منورہ کو مراجعت فرمائی۔

اسی شہر مقدس (دارالھجرت) میں آپ ﷺ اس دنیا فانی سے رخصت ہوئے اور اسی شہر میں آپ ﷺ کا روضہ اقدس ہے۔

شکر

(امام غزالیؒ)

منعم کی نعمت پر شکر کرنا بہت بڑی شرافت بھی ہے اور نعمت کی زیادتی کا ذریعہ بھی۔ شکر کی منزل میں سے ہے جو علم، احوال اور عمل سے مرکب ہے، جب کوئی نعمت ملے تو تین باتوں کا دھیان اور علم ضروری ہے۔ ایک تو اس نعمت کو جانے۔ دوسرے یہ جاننا کہ یہ نعمت واقعی میرے حق میں نعمت ہے۔ تیسرے انعام دینے والے کا اور اُس کی صفات کا جاننا ضروری ہے، یعنی خدا کی نعمت پر یہ خیال کرے کہ اصل مُنعم وہی ذات ہے، درمیان کے سارے ذرائع اس کے حکم کے تابع ہیں۔ اگر صحیح معنوں میں دل اس صفت کو مضبوط طریقے پر مان لے کہ اصل نعمت دینے والی وہی ایک ذات ہے تو یہ خدا کو واحد یعنی ایک ماننے اور اس کو پاک ماننے سے کہیں بڑھ کر ہے۔ مگر اصل انعام دینے والی ذات کو ماننا صرف زبان سے ہوگا تو بے اثر ہے، دل سے بھی یہی اعتقاد اور یقین رکھے۔ اگر کسی شخص کو بادشاہ نے کوئی انعام دیا، وہ شخص جانے کہ اس انعام دینے میں بادشاہ کا وکیل یا وزیر شریک ہے تو صحیح طور پر انعام دینے والا اُس نے بادشاہ کو نہیں سمجھا بادشاہ کے ساتھ اُس نے دوسروں کو شریک کر لیا۔ اس وقت وہ پوری طرح سے تنہا بادشاہ کا شکر گزار نہ ہوگا بلکہ اس کی شکر گزاری کا احساس دوسروں میں تقسیم ہو جائے گا اور اگر صرف بادشاہ کو منعم جانے گا تو کمال شکر میں کوئی نقصان نہ ہوگا یہاں یہ بات سوچے کہ بادشاہ نے انعام کا حکم قلم سے کاغذ پر لکھا ہے تو اِس قلم اور کاغذ کا اُس انعام دینے میں کوئی دخل نہیں ہے۔ یہ دونوں تو بادشاہ اور اس کے حکم کے تابع ہیں۔ یہی حیثیت وکیل اور وزیر کی بھی تو ہے، ایسے ہی خدا کو فاعل مختار جانے، باقی ذرائع اور وسائل تو صرف اس کے تابع ہیں، جن سے جو کام چاہتا ہے لیا ہے۔ انسان جب یہ جان لے گا تو ایک موحد کی طرح شکر ادا کرے گا۔

خوشی اس وقت حاصل ہوتی ہے جب انعام پانے والا انعام ہی میں نہ کھو جائے بلکہ منعم کی طرف توجہ رکھے‘ اس میں یہ چند صورتیں بنتی ہیں مثلاً۔

ایک بادشاہ سفر میں جا رہا ہے۔ اُس نے کسی کو ایک گھوڑا انعام دیا۔ اب انعام پانے والے کی خوشی تین طرح کی ہو سکتی ہے۔ وہ گھوڑا پانے سے خوش ہوا ہو کہ بڑا تندرست‘ اصیل‘ خوبصورت گھوڑا ملا ہے‘ یہ خوشی اس شخص کو ہو گی جسے بادشاہ سے کوئی تعلق نہیں۔ وہ صرف انعام ہی میں مست ہے۔ حتیٰ کہ یہی گھوڑا اگر اس کو جنگل میں مل جاتا تو وہ اتنا ہی خوش ہوتا۔ یا وہ گھوڑا پانے سے خوش نہیں ہوا بلکہ اس خیال سے خوش ہوا کہ بادشاہ نے گھوڑا عنایت فرمایا جو اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ بادشاہ کے دل میں اس کا خیال اور جگہ ہے جو آیندہ بڑے انعام اور سرفرازی کا سبب ہو سکتا ہے۔ ایسے شخص کو اگر گھوڑا جنگل میں یا کسی اور جگہ مل جاتا تو اُسے خوشی نہ ہوتی‘ کیونکہ گھوڑا ملنے سے اُسے خوشی نہیں ہوئی ہے اسے تو خوشی بادشاہ سے انعام پانے کی ہے اور وہ بات جنگل سے یا کسی اور شخص سے گھوڑا پانے میں حاصل نہ ہوتی۔ تیسری صورت یہ ہے کہ گھوڑا پانے کی خوشی تو ہے مگر خوشی اس خیال سے ہے کہ اب گھوڑے پر سوار ہو کر بادشاہ کے پاس جایا کروں گا‘ اس کی خدمت کروں گا ممکن ہے وزارت کا مستحق قرار دیا جاؤں۔ یعنی بادشاہ کے دل میں اپنے خیال اور اپنی طرف توجہ ہی کو کافی نہ سمجھے بلکہ بادشاہ کے قریب رہ کر عہدہ ملنے والا ہے، اُس کے خیال سے خوش ہو۔ مگر اس عہدے سے خوشی صرف اس لیے ہے کہ اس طرح بادشاہ کی قربت اور اس کا دیدار نصیب رہے گا۔ یہی وجہ ہے کہ اگر ایسے شخص سے کہا جائے کہ تم کو وزارت کا عہدہ تو نہیں ملے گا ہاں قربت ملے گی تب بھی وہ اس پیشکش کو قبول کر لے گا۔

ان تینوں صورتوں میں سے اوّل صورت تو شکر کی نہیں ہے کیونکہ اس میں انعام دینے والے کا تصور ہی نہیں ہے، صرف انعام کی خوشی ہے۔ یہ وہ لوگ ہوتے ہیں جو منعم کی طرف سے بے نیاز انعام پر اس لیے خوش ہوتے ہیں کہ انعام ان کی مرضی اور خواہش کے مطابق مل گیا۔ یہ لوگ شکر سے بہت دور ہیں اور درجہ دوم بھی اگرچہ شکر کے تحت آتا ہے اور اس کی خوشی منعم

کے ساتھ ہوتی ہے مگر یہ تعلق منعم کی ذات سے نہیں ہوتا بلکہ منعم سے جس انعام کی انھیں اُمید ہے وہ پیش نظر ہوتی ہے اور مکمل شکر وہی ہے جہاں بندے کی خوشی اللہ کی نعمت پر اس نظر سے ہو کہ اس نعمت کی وجہ سے خدا کا تقرب حاصل ہوسکتا ہے اور اس طرح اس کا دیدار برابر حاصل ہوسکتا ہے۔ جو خدا سے قریب کرنے والا ہوتو وہ خوش ہوتے ہیں' اور دنیا میں مشغول کردینے والے' خدا سے غافل کرنے والے انعام کے ملنے سے وہ لوگ رنجیدہ ہوتے ہیں' حضرت شبلیؒ فرمایا کرتے تھے ''شکر سے غرض دیدار منعم ہے' دیدار نعمت نہیں ہے''۔ عوام' شکم و دہان و جسم ہی تک رہتے ہیں اس لیے وہ کھانے پینے پہننے پر ہی شکر کرتے ہیں' اور خواص دلوں کے احوال پر نظر رکھتے ہیں' اس لیے دل کی صحت اور قلوب کی تندرستی پر شکر کرتے ہیں۔

اب تیسرا مرتبہ عمل کا آتا ہے۔ انعام ملنے کے بعد اور منعم حقیقی کو جان لینے کے بعد اس کو جو خوشی ہوئی ہے' چاہیے کہ عمل کے ذریعے اس پر شکر کا اظہار کرے۔ یہ عمل' قلب' زبان اور اعضا تینوں طریقوں سے ہوتا ہے۔ قلب کا عمل یہ ہے کہ اچھے کاموں کا ارادہ کرے۔ تمام انسانوں اور دوسری تمام مخلوقات کے لیے خدمت اور ہمدردی کا جذبہ رکھے' زبان کا عمل یہ کہ لفظوں سے خدا کا شکر ادا کرے اور اعضاء کا عمل یہ ہے کہ ناپسندیدہ اور بُرے کاموں سے ہاتھ پیر آنکھ کان کو بچائے۔ اچھے اور پسندیدہ کاموں کی طرف جلدی کرے۔

خدا کے معاملے میں شکر کا کیا مطلب ہے!!

کسی کو یہ خیال ہوسکتا ہے کہ شکر تو منعم کی موجوگی میں ہوسکتا ہے جہاں منعم کو اُس شکر سے کچھ فائدہ بھی پہنچے۔ مثلاً بادشاہوں کا شکر ہم کئی طرح سے کرتے ہیں اور ہر ایک میں بادشاہ کا کچھ مطلب اور فائدہ ہوتا ہے۔ ایک طریقہ شکر کا یہ ہے کہ ہم بادشاہوں کی تعریف کریں' تو اس میں ان کا فائدہ یہ ہوگا کہ لوگوں میں اُن کا کرم مشہور ہوگا۔ دلوں میں جگہ ہوگی اور اگر بادشاہوں کی خدمت کر کے اس کا شکر کریں تو ظاہر ہے بادشاہ کی خدمت ہوتی ہے اور اگر ہاتھ جوڑ کر

بادشاہ کے سامنے ادب سے کھڑے ہوکر شکر کریں تو اس میں بادشاہ کی خدمت ہوتی ہے' یہی غرض پوری ہوتی ہے اور بادشاہ کا جاہ و مرتبہ بڑھتا ہے' یہی فائدہ ہے۔ غرض کہ شکر کے سبب کوئی نہ کوئی فائدہ منعم کو پہنچتا ہے مگر خدا کے بارے میں تو اس قسم کی کوئی بات نہیں چل سکتی۔ خدا نے ایک انعام دیا ایک تو اس کا کرم یہ ہے' پھر اس انعام پر اگر شکر کی توفیق ہوئی' بندے نے شکر کیا تو یہ توفیق دینا بھی تو خدا کا ایک کرم ہے اور اُس کی طرف سے ایک نعمت ہے۔ تو اس دوسرے کرم اور دوسری بار نعمت پر بھی تو شکر کرنا ہوگا۔ کسی نے دوبارہ بھی شکر ادا کیا تب بھی تو ہم وہی بات کہیں گے جو پہلے شکر پر کہی تھی۔ خدا کا بڑا کرم اور اپنے بندوں کی مجبوری پر اس کا احسان یہ ہے کہ کسی دل میں شکر و نیاز مندی کا احساس پیدا ہو جائے۔ بندے کا یہ جان لینا کہ یہ نعمت خدا ہی کی طرف سے ہے اس کا شکر ادا کرنا ہے پھر اللہ بھی اس سے راضی ہو جاتا ہے۔

بندہ ناشکرا اور شکر گزار کب ہوتا ہے! اس کو سمجھنے کے لیے ایک مثال لائی جا رہی ہے' کوئی بادشاہ اپنے ایک دور افتادہ غلام کے لیے سواری' زادِ راہ بھیجے اور چاہے کہ غلام بادشاہ کے پاس آ جائے اور اس بلانے کا مقصد صرف یہ ہے کہ غلام بادشاہ کی قربت سے عزت پائے اور کوئی غرض مطلب بادشاہ کو غلام سے نہیں ہے' یہی معاملہ خدا کا انسان کے ساتھ ہے۔ اب غلام کی طرف سے شکر یوں ہے کہ جو چیز بادشاہ نے غلام کو دی ہے اس کو طریقے سے اور ان کاموں میں لگائے جو بادشاہ کے قریب کرنے والے ہوں۔ اور ناشکری یہ ہوگی کہ ان چیزوں کو بے کار ڈال دے یا ایسے طریقے سے استعمال کرے جس کا نتیجہ اُلٹا نکلے اور وہ غلام بادشاہ سے دور ہوتا چلا جائے' ایسے ہی خدا بندے کو پیدا کرتا ہے اور اس میں طرح طرح کے تقاضے اور خواہشیں پیدا کرتا ہے تاکہ انسان ان تقاضوں اور خواہشات کے ذریعے اپنی ذات اور اپنے وجود کے لیے ضروری طاقت' صحت' ہمت' غذا وغیرہ طلب کرے اور مکمل انسان بن جائے تو مقصد تو ان خواہشات کو پیدا کرنے سے یہ ہے مگر انسان انہی خواہشات کے غلط استعمال سے دور جا پڑتا ہے دنیا میں جس قدر چیزیں پیدا ہوئی ہیں خواہ وہ انسان کے اعضا ہوں' وہ سب اسی لیے ہیں

کہ انسان ان کے ذریعے بھلائی، خیر اور نیکی کی سعادت حاصل کرے' انسان اگر ان تمام چیزوں کو صحیح مقصد میں استعمال کرتا ہے تو وہ اپنے مالک کا شکر ادا کرتا ہے اور جو سستی کرتا ہے یا غلط استعمال کرتا ہے' وہ نافرمان ہے' ان نعمتوں کو بیکار رکھا جائے' نہ اطاعت میں استعمال کیا جائے نہ معصیت میں تو یہ بھی ناشکری ہوگی۔

خدا کی پسندیدہ و ناپسندیدہ چیزیں

جب شکر کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ کی نعمتوں کو ایسی چیزوں میں استعمال کیا جائے جو چیزیں اُسے پسند ہوں تو اب یہ بھی جاننا ہوگا کہ کون سی چیزیں خدا کو پسند ہیں اور کون سی ناپسند۔ خدا کی پسندیدہ چیزوں کو جاننے کے دو ذریعے ہیں۔ ایک تو سُن کر' دوسرے دل کی آنکھوں سے دیکھ کر، پہچان کر دوسرا ذریعہ ذرا باریک اور دشوار ہے' پہلے ذریعے کے لیے خدا نے اپنے رسولوں کو بھیجا۔ دوسرا ذریعہ باریک اس لیے ہے کہ خدا کی پیدا کی ہوئی ہر شے میں انسان کو حکمت معلوم کرنی ہوگی کیونکہ دنیا کی ہر چیز میں کوئی نہ کوئی حکمت ہے اور اس حکمت سے خدا نے کچھ کام مقرر فرما دیے ہیں اور یہی کام جو حکمت کے اندر مقرر کر دیئے ہیں خدا کو پسند ہوتے ہیں اس حکمت کی دو قسمیں ہیں' ایک ظاہر ایک پوشیدہ۔

سورج کی پیدائش میں یہ حکمت ہے کہ اس سے دن اور رات پیدا ہوتے ہیں۔ اسی طرح دن کا مقصد تحصیل معاش اور رات کا مقصد آرام ہے' یہ ہے ظاہری حکمت کی مثال۔ ستاروں کی حکمت پوشیدہ ہے' اس کو عام لوگ نہیں جانتے۔ اعضائے انسانی میں ہاتھ گرفت کے لیے' پیر چلنے کے لیے' آنکھ دیکھنے کے لیے' ناک سونگھنے کے لیے۔ یہ حکمتیں ظاہر ہیں۔ لیکن انسانی بدن کے اندر کے رگ و ریشے۔ پھر بعض اُن میں سے موٹی رگ' بعض خالی' بعض جالی دار' ان کی حکمت پوشیدہ ہے۔ اب جو لوگ کسی چیز کو اس طرح استعمال نہ کریں جس کے لیے وہ دی گئی ہے تو یہی ناشکری ہوگی۔ ہاتھ سے کسی نے کسی کو مارا یا مال چھین لیا۔ ڈاکہ ڈالا' چوری کی تو یہ سب ہاتھ کی ناشکری ہے کیونکہ ہاتھ اس لیے نہیں دیا گیا ہاتھ مضر چیز کو دفع کرنے کے لیے بنایا گیا تھا۔

خدا کی نعمتوں میں سے ایک بڑی نعمت یہ ہے کہ اس نے روپیہ پیسہ پیدا کیا۔ان سے دنیا کا نظام قائم ہے۔بذات خود روپے پیسے سے کوئی فائدہ نہیں ہے' نہ یہ کھانے کے کام آسکتا ہے، نہ پینے کے' نہ پہننے کے۔مگر انسان ان کا محتاج بھی ہے محتاج کیوں ہے؟؟ اس کو یوں سمجھئے انسان کو غذا، پانی، لباس وغیرہ میں بہت سی چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے اور بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ جس چیز کی ضرورت ہوتی ہے وہ موجود ہے۔مثلاً ایک شخص کو سواری کے لیے اونٹ کی سخت ضرورت ہے وہ اس کے پاس نہیں ہے اور زعفران کی اسے ضرورت نہیں مگر زعفران اُس کے پاس موجود ہے۔اور دوسرے کے پاس اونٹ ہے مگر اس کو اونٹ کی ضرورت نہیں ہے اور زعفران نہیں ہے مگر اس کو زعفران کی ضرورت ہے۔اب ظاہر ہے ضرورت پوری ہونے کے لیے ہر ایک چاہے گا کہ آپس میں تبادلہ ہو جائے اور تبادلے میں بدلے کے لیے کوئی مقدار مقرر ہونی چاہے۔ کیونکہ اونٹ کا مالک یہ تو کرے گا نہیں کہ چاہے جتنی مقدار زعفران کی دُوسرا شخص اُسے دے اور بدلے میں یہ اُونٹ اسے دے دے' پھر اونٹ اور زعفران میں کوئی مناسبت بھی تو نہیں ہے کہ ہم یہ کہہ سکیں کہ اونٹ کے برابر وزن یا صورت میں زعفران اُسے دیا جائے۔اس لیے تبادلے کے اسباب میں مساوات اور مناسبت کا پتہ چلنا مشکل ہو جائے گا۔چنانچہ کوئی کپڑے کے بدلے میں گھر' گھوڑے کے بدلے میں آٹا یا موزے کے بدلے میں غلام لینا چاہے تو چونکہ ان چیزوں کے درمیان کوئی تناسب نہیں اس لیے تبادلے کے اسباب میں مساوات کا پتہ نہ چل سکے گا اور تمام معاملات بند ہو جائیں گے۔۔اس کو سامنے رکھ کر جب دونوں چیزوں کو دیکھا جائے تو دونوں چیزوں کے درمیان مساوی اور غیر مساوی معلوم ہو جائے یہ کام روپیہ پیسہ تمام مالوں میں یہ دونوں متوسط درجہ رکھتے ہیں اور ان سے مال کا اندازہ ہو سکتا ہے مثلاً کہہ سکتے ہیں کہ یہ اونٹ سو روپے کا ہے اور اتنی زعفران سو روپے کی ہے اور دونوں چونکہ ایک معین چیز کے برابر ہیں اس لیے آپس میں مساوی ہیں، اب ان روپے پیسے کی حیثیت یہ قرار پائی کہ بذات خود ان سے کوئی غرض نہیں نکلتی، یہ اسی لیے ہیں کہ ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ میں جائیں غیر متناسب اموال کے درمیان

مساوات پیدا کریں،ان سے تمام چیزیں حاصل ہوسکیں کیونکہ لوگ' تبادلے میں ان کو قبول کر لیتے ہیں تو ان روپے پیسوں کا مالک ہونا گویا تمام قسم کے مال کا مالک ہونا ہے ایسا نہیں ہے کہ کوئی صرف کپڑے کا مالک ہو کیونکہ اس کے پاس صرف کپڑا ہو سکتا ہے اُس کو کھانے کی ضرورت ہو اور کوئی کپڑے کے بدلے میں اُسے کھانا نہ دے اس لیے ممکن ہے اسے کپڑے کی ضرورت نہ ہو۔ تو یہ کام روپیہ پیسہ کر سکتا ہے کہ ہر ایک مال کے لیے ہر وقت بدلہ بن سکے کیونکہ وہ ہر وقت ہر مال میں لوگوں کا محبوب ہوتا ہے بظاہر وہ کسی مطلب کا نہیں ہے مگر اس کے ذریعے ہر ایک مطلب نکل سکتا ہے معلوم ہوا کہ روپیہ پیسہ اسی کام کے لیے بنا ہے کہ لوگوں کے ہاتھوں میں پہنچتا رہے اور لوگوں کا کام نکلتا رہے۔اب کوئی اس کے خلاف کرے یا روپے پیسے سے یہ کام نہ لے مثلاً اُسے جمع کر کے رکھے تو اُن کے ساتھ ناانصافی کرے گا اور اس نعمت میں ناشکری کرے گا۔پیسوں سے ایک دوسرے کی ضرورتوں کا نظام وانتظام چلتا ہے' جو شخص سونے چاندی کے برتن بنوائے وہ بھی اس شخص کی طرح ہے جو انہیں دبا کر رکھے کیونکہ سونا چاندی اس لیے نہیں ہے کہ ان کا برتن بنایا جائے اسی طرح جو پیسے میں سود کا کاروبار کر رہا ہے وہ بھی ناشکری کر رہا ہے کیونکہ روپیہ پیسہ دوسرے مال کے حصول کا ذریعہ ہیں' اس لیے نہیں ہیں کہ روپے پیسے سے خود روپیہ پیسہ خریدا اور بیچا جائے۔یہ تو خود روپے پیسے کی ذات سے فائدہ اٹھانا اور غرض حاصل کرنا ہے جبکہ اُن کی ذات کسی فائدے اور غرض کے لیے نہیں ہے بلکہ دوسرے فائدے اور غرض کے لیے وسیلہ ہے اور ایک شے جس غرض کے لیے ہو اُس کے خلاف استعمال کرنا یہی ناشکری ہے۔

اگر کوئی سوچنے لگے کہ سود حرام اس لیے ہے کہ قرض جس قدر لیا جاتا ہے' لوٹاتے وقت اُس سے زیادہ لوٹانا پڑتا ہے لیکن اگر کچھ نقد کوئی شخص فروخت کرے اور دوسرا شخص اتنی مقدار واپس کرے تو اسے حرام نہیں کہا جاتا۔اس کی کیا وجہ ہے' حالانکہ سود میں بھی پیسوں کا پیسوں سے معاملہ ہوتا ہے اور یہاں بھی' اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک روپیہ مثلاً ایک روپے کے بدلے میں بیچا جائے تو اس میں کوئی بھی عقلمند مشغول نہ ہوگا' یہ ایک مہمل کام ہوا' جب ایک روپے دے کر

ایک روپیہ لینا ہے تو یہی اچھا ہے کہ اپنا روپیہ پڑا رہے۔اس فضول کام سے کیا نفع ؟تو عام طور پر نفس کو اس قسم کی چیزوں کی طرف جس میں کچھ نفع نہ ہو شوق بھی نہیں ہوتا اور جن چیزوں میں نفس کو شوق نہیں ہوتا ہم اس سے منع بھی نہیں کرتے' یہی حال غلّے کے معاملے کا ہے۔غلہ اس لیے پیدا کیا گیا ہے کہ اس سے غذا اور بعض وقت دوا کا کام لیا جائے چونکہ انسان غلہ کا بہت محتاج ہوتا ہے اس لیے جس کے پاس غلہ بے ضرورت جمع ہو اُس سے فوراً لے لینا چاہیے۔اب اگر کوئی غلّے کو غلّے کے بدلے بیچتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ غلّے کا محتاج نہیں ہے بلکہ غلہ لے لے کر جمع کرنا چاہتا ہے اور اگر کوئی ایک قسم کے غلّے کو دوسری کسی کھانے والی چیز کے بدلے میں بیچتا ہے تو وہ معذور ہے' کیونکہ مثلاً کوئی کھجور کو گیہوں کے بدلے میں بیچ رہا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اُسے گیہوں کی ضرورت ہے اور جو غرض گیہوں سے نکلتی ہے وہ کھجور سے ممکن نہیں ہے' کوئی ایک سیر اچھا گیہوں لے کر تین سیر خراب دے رہا ہے تو اگر چہ یہاں بھی غلّے کا معاملہ غلّے سے ہو رہا ہے مگر ضرورت کی وجہ سے اس کی اجازت ہے کیونکہ ممکن ہے اُسے تین سیر ہی کی ضرورت ہو اور خراب ہونے کی وجہ سے صرف لذّت ہی میں تو فرق ہوگا۔پیٹ بھرنے میں تو فرق نہ ہوگا۔تو غلّے کا اصل فائدہ یعنی پیٹ بھرنے میں اچھا اور برا غلہ برابر ہے۔اور لحاظ اس چیز میں اس کی اصل غرض اور ضرورت کا کیا جاتا ہے' لذت کا نہیں اس لیے یہاں معاملہ کرنے کی اجازت ہے۔

خلاصہ یہ کہ جو چیز جس حکمت کے لیے پیدا کی گئی ہے اُس کو اُس سے پھیرنا ناشکری ہے' جب شکر کی حقیقت معلوم ہوگئی کہ بندہ وہ کام کرے جس میں خدا کی حکمت پوری ہو تو جو بندہ اس لحاظ سے شکر گزار ہوگا تو وہ خدا سے قریب اور اس کا محبوب بندہ ہوگا۔

نمازیں بے اثر کیوں ہو گئیں!

(مولانا مودودیؒ)

برادرانِ اسلام! آج کے خطبہ میں مجھے آپ کو یہ بتانا ہے کہ جس نماز کے اس قدر فائدے میں نے کئی خطبوں میں مسلسل آپ کے سامنے بیان کیے ہیں وہ اب کیوں وہ فائدے نہیں دے رہی ہے؟ کیا بات ہے کہ آپ نمازیں پڑھتے ہیں اور پھر بھی آپ کی زندگی نہیں سدھرتی؟ پھر بھی آپ کے اخلاق پاکیزہ نہیں ہوتے؟ پھر بھی ایک زبردست خدائی فوج نہیں بنتے؟ پھر بھی کفار آپ پر غالب ہیں؟ پھر بھی آپ دنیا میں تباہ حال اور نکبت زدہ ہیں؟

اس سوال کا مختصر جواب تو یہ ہو سکتا ہے کہ اوّل تو آپ نماز پڑھتے ہی نہیں اور پڑھتے بھی ہیں تو اس طریقہ سے نہیں پڑھتے جو خدا اور رسول ﷺ نے بتایا ہے۔ اس لئے اُن فائدوں کی توقع آپ نہیں کر سکتے جو مومن کو معراج وکمال تک پہنچانے والی نماز سے پہنچنے چاہئیں۔ لیکن میں جانتا ہوں کہ صرف اتنا سا جواب آپ کو مطمئن نہیں کر سکتا، اس لئے ذرا تفصیل کے ساتھ آپ کو یہ بات سمجھاؤں گا۔

ایک مثال -- گھڑی!

یہ گھنٹہ جو آپ کے سامنے لٹک رہا ہے، آپ دیکھتے ہیں کہ اس میں بہت سے پرزے، ایک دوسرے کے ساتھ جڑے ہوئے ہیں۔ جب اس کو چابی دی جاتی ہے تو سب پرزے اپنا اپنا کام شروع کر دیتے ہیں اور ان کے حرکت کرنے کے ساتھ ہی باہر کے سفید تختے پر ان کی حرکت کا نتیجہ ظاہر ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ یعنی گھنٹے کی دونوں سوئیاں چل کر ایک ایک سیکنڈ اور ایک ایک منٹ بتانے لگتی ہیں۔ اب آپ ذرا غور کی نگاہ سے دیکھیے۔ گھنٹے کے بنانے کا مقصد یہ ہے کہ وہ صحیح وقت بتائے۔ اسی مقصد کیلئے گھنٹے کی مشین میں وہ سب پرزے جمع کیے گئے جو صحیح وقت بتانے کیلئے ضروری تھے۔ پھر ان سب کو جوڑا گیا کہ سب مل کر باقاعدہ حرکت کریں اور ہر پرزہ وہی کام

اوراتنا ہی کام کرتا چلا جائے جتنا صحیح وقت بتانے کیلئے اس کو کرنا چاہیے۔پھر کوک دینے کا قاعدہ مقرر کیا گیا تا کہ ان پرزوں کو ٹھہرنے نہ دیا جائے اور تھوڑی تھوڑی مدت کے بعد ان کو حرکت دی جاتی رہے۔اس طرح جب تمام پرزوں کو ٹھیک ٹھیک جوڑا گیا اور ان کو کوک دی گئی تب کہیں یہ گھنٹہ اس قابل ہوا کہ وہ مقصد پورا کرے جس کیلئے یہ بنایا گیا ہے۔اگر آپ اُسے کوک نہ دیں تو یہ وقت نہیں بتائے گا۔اگر آپ کوک دیں لیکن اس قاعدے کے مطابق نہ دیں جو کوک دینے کیلئے مقرر کیا گیا ہے،تو یہ بند ہو جائے گا،یا چلے گا بھی تو صحیح وقت نہ بتائے گا۔اگر آپ اس کے بعض پرزے نکال کر اس کی جگہ سنگر مشین کے پرزے لگا دیں اور پھر کوک دیں تو یہ نہ وقت بتائے گا اور نہ کپڑا ہی سیئے گا۔اگر آپ اس کے سارے پرزے اس کے اندر ہی رہنے دیں لیکن ان کو کھول کر ایک دوسرے سے الگ کر دیں تو کوک دینے سے کوئی پرزہ بھی حرکت نہ کرے گا۔کہنے کو سارے پرزے اس کے اندر موجود ہوں گے مگر محض پرزوں کے موجود رہنے سے یہ مقصد حاصل نہ ہو گا جس کیلئے گھنٹہ بنایا گیا ہے۔کیونکہ ان کی ترتیب اور ان کا آپس کا تعلق آپ نے توڑ دیا ہے جسکی وجہ سے وہ مل کر حرکت نہیں کر سکتے۔یہ سب صورتیں جو میں نے آپ سے بیان کی ہیں ان میں اگرچہ گھنٹے کی ہستی اور اس کو کوک دینے کا فعل دونوں بیکار ہو جاتے ہیں لیکن دور سے دیکھنے والا یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ گھنٹہ نہیں ہے یا آپ کوک نہیں دے رہے ہیں۔وہ تو یہی کہے گا کہ صورت بالکل گھنٹے جیسی ہے اور یہی امید کرے گا کہ گھنٹے کا جو فائدہ ہے وہ اس سے حاصل ہونا چاہیے۔
اسی طرح دور سے جب وہ آپ کو کوک دیتے ہوئے دیکھے گا تو یہی خیال کرے گا کہ آپ واقعی گھنٹے کو کوک دے رہے ہیں،اور یہی توقع کرے گا کہ گھنٹے کو کوک دینے کا جو نتیجہ ہے وہ ظاہر ہونا چاہیے۔لیکن یہ توقع پوری کیسے ہو سکتی ہے جبکہ یہ گھنٹہ بس دور سے دیکھنے ہی کا گھنٹہ ہے اور حقیقت میں اس کے اندر گھنٹہ پن باقی نہیں رہا ہے۔

اُمت مسلمہ کا مقصد

مذکورہ مثال سے آپ سارا معاملہ سمجھ سکتے ہیں۔اسلام کو اسی گھنٹے پر قیاس کر لیجئے ۔ جس طرح گھنٹے کا مقصد صحیح وقت بتانا ہے اُسی طرح اسلام کا مقصد یہ ہے کہ زمین میں آپ خدا کے خلیفہ،خلق پر خدا کے گواہ اور دنیا میں دعوتِ حق کے علمبردار بن کر رہیں،خود خدا کے حکم پر چلیں، سب پر خدا کا حکم چلائیں،اور سب کو خدا کے قانون کا تابع بنا کر رکھیں ۔اس مقصد کو صاف طور پر قرآن میں بیان کر دیا گیا ہے کہ:۔

کنتم خیرا أمة أخرجت للناس تامرون بالمعروف و تنهون عن المنكر و تومنون بالله. (آل عمران:110)

''تم وہ بہترین اُمت ہو جسے نوع انسانی کیلئے نکالا گیا ہے۔تمہارا کام یہ ہے کہ سب انسانوں کو نیکی کا حکم دو اور برائی سے روکو اور اللہ پر ایمان رکھو''۔

وكذلک جعلنكم أمة و سطا لتكونوا شهدا على الناس (بقرہ۔۱۴۳)

''اور اس طرح ہم نے تم کو بہترین اُمت بنایا ہے تا کہ تم لوگوں پر گواہ ہو''۔

وعد الله الذين امنوا منكم وعملوا الصلحت ليستخلفنهم في الارض (نور:۵۵)

''اللہ نے وعدہ کیا ہے کہ اُن لوگوں سے جو تم میں سے ایمان لائیں اور نیک عمل کریں وہ ضرور ان کو زمین میں اپنا خلیفہ بنائے گا''۔

و قاتلوهم حتى لا تكون فتنة ويكون الدين كله لله (انفال۔39)

''اور لوگوں سے جنگ کرو یہاں تک کہ غیر اللہ کی بندگی کا فتنہ مٹ جائے اور اطاعت پوری کی پوری صرف اللہ کیلئے ہو''۔

اسلامی احکام باہم مربوط ہیں جیسے گھڑی کے پرزے

اس مقصد کو پورا کرنے کیلئے گھنٹے کے پرزوں کی طرح اسلام میں بھی وہ تمام پرزے جمع کیے گئے ہیں جو اس غرض کیلئے ضروری اور مناسب تھے۔دین کے عقائد و اخلاق کے اصول، معاملات کے قاعدے، خدا کے حقوق، بندوں کے حقوق، خود اپنے نفس کے حقوق، دنیا کی ہر چیز کے حقوق جس سے آپ کو واسطہ پیش آتا ہے، کمانے کے قاعدے اور خرچ کرنے کے طریقے، جنگ کے قانون اور صلح کے قاعدے، حکومت کرنے کے طریقے، حکومت کرنے کے قوانین اور حکومت اسلامی کی اطاعت کرنے کے ڈھنگ، یہ سب اسلام کے پرزے ہیں اور ان کو گھڑی کے پرزوں کی طرح ایک ایسی ترتیب سے ایک دوسرے کے ساتھ کسا گیا ہے کہ جونہی اس میں کوک دی جائے، ہر پرزہ دوسرے پرزوں کے ساتھ مل کر حرکت کرنے لگے اور ان سب کی حرکت سے اصل نتیجہ یعنی اسلام کا غلبہ اس دنیا پر خدائی قانون کا تسلط اس طرح مسلسل ظاہر ہونا شروع ہو جائے جس طرح اس گھنٹے کو آپ دیکھ رہے ہیں اس کے پرزوں کی حرکت کے ساتھ ہی باہر کے سفید تختے پر نتیجہ برابر ظاہر ہوتا چلا جاتا ہے۔گھڑی میں پرزوں کو ایک دوسرے کے ساتھ باندھے رکھنے کیلئے چند کیلیں اور چند پیچیاں لگائی گئی ہیں اسی طرح اسلام کے تمام پرزوں کو ایک دوسرے کے ساتھ جڑا رکھنے اور ان کی صحیح ترتیب قائم رکھنے کیلئے وہ چیز رکھی گئی ہے جسکو نظام جماعت کہا جاتا ہے، یعنی مسلمانوں کا ایک سردار جو دین کا صحیح علم اور تقویٰ کی صفت رکھتا ہو۔جماعت کے دماغ مل کر اس کی مدد کریں، جماعت کے ہاتھ پاؤں اس کی اطاعت کریں، ان سب کی طاقت سے وہ اسلام کے قوانین نافذ کرے اور لوگوں کو اُن قوانین کی خلاف ورزی سے روکے۔ اس طریقے سے جب سارے پرزے ایک دوسرے کے ساتھ جڑ جائیں اور ان کی ترتیب ٹھیک ٹھیک قائم ہو جائے تو ان کو حرکت دینے اور دیتے رہنے کیلئے کوک کی ضرورت ہوتی ہے، اور وہی کوک یہ نماز ہے جو ہر روز پانچ وقت پڑھی جاتی ہے۔پھر اس گھڑی کو صاف کرتے رہنے کی بھی ضرورت ہوتی ہے اور وہ صفائی یہ روزے ہیں جو سال بھر میں تیس دن رکھے جاتے ہیں۔اور اس گھڑی کو تیل دیتے رہنے کی بھی ضرورت ہے، سو زکوٰۃ وہ تیل ہے جو سال بھر میں ایک مرتبہ

اس کے پرزوں کو دیا جاتا ہے۔یہ تیل کہیں باہر سے نہیں آتا بلکہ اسی گھڑی کے بعض پرزے تیل بناتے ہیں اور بعض سوکھے ہوئے پرزوں کو روغن دار کر کے آسانی کے ساتھ چلنے کے قابل بنادیتے ہیں۔پھر اسے کبھی کبھی اوورہال کرنے کی بھی ضرورت ہوتی ہے،سووہ اوورہالنگ حج ہے جو عمر میں ایک مرتبہ کرنا ضروری ہے،اوراس سے زیادہ جتنا کیا جاسکے اتنا ہی بہتر ہے۔

متفرق پرزوں کا جوڑ کارآمد نہیں

اب آپ غور کیجیے کہ یہ کوک دینا اور صفائی کرنا اور تیل دینا اور اوورہال کرنا اسی وقت تو مفید ہوسکتا ہے جب اس فریم میں اسی گھڑی کے سارے پرزے موجود ہوں،ایک دوسرے کے ساتھ اُسی ترتیب سے جڑے ہوئے ہوں جس سے گھڑی ساز نے انہیں جوڑا تھا،اور ایسے تیار رہیں کہ کوک دیتے ہی اپنی مقررہ حرکت کرنے لگیں اور حرکت کرتے ہی نتیجہ دکھانے لگیں۔لیکن یہاں معاملہ ہی کچھ دوسرا ہو گیا ہے۔اول تو وہ نظام جماعت ہی باقی نہیں رہا جس سے اس گھڑی کے پرزوں کو باندھا گیا تھا۔نتیجہ یہ ہوا کہ سارے پیچ ڈھیلے ہو گئے اور پرزہ پرزہ الگ ہو کر بکھر گیا۔ اب جو جس کے جی میں آتا ہے کرتا ہے۔کوئی پوچھنے والا ہی نہیں،ہر شخص مختار ہے۔اس کا دل چاہے تو اسلام کے قانون کی پیروی کرے اور نہ چاہے تو نہ کرے۔اس پر بھی آپ لوگوں کا دل ٹھنڈا نہ ہوا تو آپ نے اس گھڑی کے بہت سے پرزے نکال ڈالے اور ان کی جگہ ہر شخص نے اپنی اپنی پسند کے مطابق جس دوسری مشین کا پرزہ چاہا لاکر اس میں فٹ کر دیا۔کوئی صاحب سنگر مشین کا پرزہ پسند کر کے لے آئے،کسی صاحب کو آٹا پیسنے کی چکی کا کوئی پرزہ پسند آ گیا تو وہ اُسے اُٹھا لائے۔اور کسی صاحب نے موٹر لاری کی کوئی چیز پسند کی تو اسے لاکر گھڑی میں لگا دیا۔ اب آپ مسلمان بھی ہیں اور بینک سے سودی کاروبار بھی چل رہے ہیں۔انشورنس کمپنی میں بیمہ بھی کرا رکھا ہے۔عدالتوں میں جھوٹے مقدمے بھی کر رہے ہیں۔کفر کی وفادارانہ خدمت بھی ہو رہی ہے۔بیٹیوں اور بہنوں اور بیویوں کو میم صاحب بھی بنایا جا رہا ہے۔بچوں کو مادّہ پرستانہ

تعلیم بھی دی جارہی ہے۔گاندھی صاحب کی پیروی بھی ہورہی ہے اور لینن صاحب کے راگ بھی گائے جارہے ہیں۔غرض کوئی غیر اسلامی چیز ایسی نہیں رہی جسے ہمارے بھائی مسلمانوں نے لالاکر اسلام کی گھڑی کے فریم میں ٹھونس نہ دیا ہو۔

غیر متوقع نتائج کے مخاطب

یہ سب حرکتیں کرنے کے بعد اب آپ چاہتے ہیں کہ کوک دینے سے یہ گھڑی چلے اور وہی نتیجہ دکھائے جس کیلئے اس گھڑی کو بنایا گیا تھا اور صفائی کرنے اور تیل دینے اور اوور ہال کرنے سے وہی فائدے ہوں جو ان کاموں کیلئے مقرر ہیں۔مگر ذرا عقل سے آپ کام لیں تو آسانی آپ سمجھ سکتے ہیں کہ جو حال آپ نے اس گھڑی کا کر دیا ہے اس میں تو عمر بھر کوک دینے اور صفائی کرنے اور تیل دیتے رہنے سے بھی کچھ نتیجہ نہیں نکل سکتا۔جب تک آپ باہر سے آئے ہوئے تمام پرزوں کو نکال کر اُس کے اصلی پرزے اس میں نہ رکھیں گے اور پھر ان پرزوں کو اسی ترتیب کے ساتھ جوڑ کر کس نہ دیں گے جس طرح ابتداء میں انہیں جوڑا اور کسا گیا تھا،آپ ہرگز ان نتائج کی توقع نہیں کر سکتے جو اس سے کبھی ظاہر ہوئے تھے۔

عبادات بے اثر ہونے کی اصل وجہ

خوب سمجھ لیجئے کہ یہ اصلی وجہ ہے آپ کی نمازوں اور روزوں اور زکوٰۃ اور حج کے بے نتیجہ ہو جانے کی۔اوّل تو آپ میں سے نمازیں پڑھنے والے اور روزے رکھنے والے اور زکوٰۃ اور حج ادا کرنے والے ہیں ہی کتنے۔نظام جماعت کے بکھر جانے سے ہر شخص مختارِ مطلق ہو گیا ہے۔چاہے اِن فرائض کو ادا کرے،چاہے نہ کرے۔کوئی پوچھنے والا ہی نہیں۔پھر جو لوگ انہیں ادا کرتے ہیں وہ بھی کس طرح کرتے ہیں؟نماز میں جماعت کی پابندی نہیں اور اگر کہیں جماعت کی پابندی ہے بھی تو مسجدوں کی امامت کیلئے اُن لوگوں کو چنا جاتا ہے جو دنیا میں کسی اور کام کے قابل نہیں ہوتے۔مسجد کی روٹیاں کھانے والے،جاہل،کم حوصلہ اور پست اخلاق لوگوں کو

آپ نے اُس نماز کا امام بنایا ہے جو آپ کو خدا کا خلیفہ اور دنیا میں خدائی فوجدار بنانے کیلئے مقرر کی گئی تھی۔ اسی طرح روزے اور زکوٰۃ اور حج کا جو حال ہے وہ بھی ناقابل بیان ہے۔ ان سب باتوں کے باوجود آپ کہہ سکتے ہیں کہ اب بھی بہت سے مسلمان اپنے فرائض دینی بجالانے والے ضرور ہیں۔ لیکن جیسا کہ میں بیان کر چکا ہوں گھڑی کا پرزہ پرزہ الگ کر کے اور اس میں باہر کی بیسیوں چیزیں داخل کر کے آپ کا کوک دینا اور نہ دینا، صفائی کرنا اور نہ کرنا، تیل دینا اور نہ دینا دونوں بے نتیجہ ہیں۔ آپ کی یہ گھڑی دور سے گھڑی ہی نظر آتی ہے۔ دیکھنے والا یہی کہتا ہے کہ یہ اسلام ہے اور آپ مسلمان ہیں۔ آپ جب اس گھڑی کو کوک دیتے اور صفائی کرتے ہیں تو دور سے دیکھنے والا یہی سمجھتا ہے کہ واقعی آپ کوک دے رہے اور صفائی کر رہے ہیں۔ کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ نماز، نماز نہیں ہے، یا یہ روزے، روزے نہیں ہیں۔ مگر دیکھنے والوں کو کیا خبر کہ اس ظاہری فریم کے اندر کیا کچھ کارستانیاں کی گئی ہیں۔

ہماری افسوس ناک حالت

برادرانِ اسلام! میں نے آپ کو اصل وجہ بتا دی ہے کہ آپ کے یہ مذہبی اعمال آج کیوں بے نتیجہ ہو رہے ہیں اور کیا وجہ ہے کہ نمازیں پڑھنے اور روزے رکھنے کے باوجود آپ خدائی فوجدار بننے کے بجائے کفار کے قیدی اور ہر ظالم کے تختۂ مشق بنے ہوئے ہیں۔ لیکن آپ اگر برا نہ مانیں تو میں آپ کو اس سے بھی زیادہ افسوسناک بات بتاؤں۔ آپ کو اپنی اس حالت کا رنج اور اپنی مصیبت کا احساس تو ضرور ہے مگر آپ کے اندر ہزار میں سے نوسو ننانوے بلکہ اس سے بھی زیادہ لوگ ایسے ہیں جو اس حالت کو بدلنے کی صحیح صورت کیلئے راضی نہیں ہیں۔ تو اسلام کے اس گھنٹے کو جس کا پرزہ پرزہ اندر سے الگ کر دیا گیا ہے اور جس میں اپنی اپنی پسند کے مطابق ہر شخص نے کوئی نہ کوئی چیز ملا رکھی ہے، از سر نو مرتب کرنا برداشت نہیں کر سکتے۔ کیونکہ جب اس میں سے بیرونی چیزیں نکالی جائیں گی تو لامحالہ ہر ایک کی پسند کی چیز نکالی جائے گی۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ

دوسروں کی پسند کی چیزیں تو نکال دی جائیں، مگر آپ نے خود باہر کا جو پرزہ لاکر لگا رکھا ہوا ہے رہنے دیا جائے۔ اسی طرح جب اسے کسا جائے گا تو سب ہی اس کے ساتھ کسے جائیں گے، یہ ممکن نہیں کہ اور سب تو کس دیے جائیں مگر صرف ایک آپ ہی ایسے پرزے ہوں جسے ڈھیلا چھوڑ دیا جائے۔ بس یہی وہ چیز ہے کہ جب اس کو کسا جائے گا تو وہ خود بھی اس کے ساتھ کسے جائیں گے، اور یہ ایسی مشقت ہے جسے برضا و رغبت گوارا کرنا لوگوں کیلئے مشکل ہے۔ اس لئے وہ بس یہ چاہتے ہیں کہ یہ گھنٹہ اسی حال میں دیوار کی زینت بنا رہے اور دور دور سے لاکر لوگوں کو اسی کی زیارت کرائی جائے، اور انہیں بتایا جائے کہ اس گھنٹے میں ایسی اور ایسی کرامات چھپی ہوئی ہیں۔ اس سے بڑھ کر جو لوگ کچھ زیادہ اس گھنٹے کے خواہاں ہیں وہ چاہتے ہیں کہ اسی حالت میں اس کو خوب دل لگا لگا کر کوک دی جائے اور نہایت تن دہی کے ساتھ اس کی صفائی کی جائے، مگر حاشا کہ اس کے پرزوں کو مرتب کرنے اور کسنے اور بیرونی پرزے نکال کر پھینکنے کا ارادہ نہ کیا جائے۔

کاش میں آپ کی ہاں میں ہاں ملا سکتا، مگر میں کیا کروں کہ جو کچھ میں جانتا ہوں اس کے خلاف نہیں کہہ سکتا۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ جس حالت میں آپ اس وقت ہیں اس میں پانچ وقت کی نمازوں کے ساتھ تہجد اور اشراق اور چاشت بھی آپ پڑھنے لگیں اور پانچ پانچ گھنٹے روزانہ قرآن بھی پڑھیں، اور رمضان شریف کے علاوہ گیارہ مہینوں میں ساڑھے پانچ مہینوں کے مزید روزے بھی رکھ لیا کریں تب بھی کچھ حاصل نہ ہوگا۔ گھڑی کے اندر اس کے اصلی پرزے رکھے ہوں اور انہیں کس دیا جائے تب تو ذرا سی کوک بھی اس کو چلا دے گی، تھوڑا سا صاف کرنا اور ذرا سا تیل دینا بھی نتیجہ خیز ہوگا۔ ورنہ عمر بھر کوک دیتے رہیے، گھڑی نہ چلتی ہے نہ چلے گی۔

پرواز ہے دونوں کی اسی ایک فضاء میں

(عبدالرشید ساہی)

کرگس اور شاہین اپنی بلند پروازی کے کسی دائرہ میں ایک ساتھ ہوگئے ۔ وہ پاس پاس اور ساتھ ساتھ فضا میں تیرتے چلے جا رہے تھے ۔ ان میں گفتگو کا ہونا ایک فطری عمل تھا ۔

شاہین نے کہا بھئی کیسی ہے یہ فضا نیلگوں، ردائے صبح و شام، یہ وسعت نگاہ، یہ بلند پروازی اور اس کے ساتھ یہ بلندی نظر اور بلندی فکر ۔ کرگس جو اپنے خیال میں ڈوبا ہوا نظریہ ضرورت کے متعلق سوچ رہا تھا بولا بھئی ! بلندی ہی بلندی ہے لیکن بلندی اور صرف بلندی ہی تو زندگی نہیں، زندگی زندہ رہنے کا عمل بھی تو ہے ۔ اس میں اور بھی تو ضروریات ہیں ۔ وسعت نگاہ اپنی جگہ پر بجا لیکن ضرورت وجود سے کیا انکار ۔ یہ بلند پروازی مجھے میری ضرورت سے محروم کر رہی ہے ۔ دیکھو بھئی خالی بلندی اور خالی پیٹ ہمیں کیا دے سکتے ہیں؟ کرگس نے کہا اتنی دور کی باتیں نہ سوچا کرو مجھے تو بھوک لگی ہے ۔ میں کب سے بھوکا پیاسا تیرے ساتھ چکر لگا رہا ہوں اور بھوک سے مجھے خود چکر آ رہے ہیں ۔ زندگی صرف زندگی ہے اسے گزارنا ہے بہرصورت زندگی صرف آگ ہے ۔ یہ آگ زندگی کے ہر حصہ میں ہے دل میں، دماغ میں، نفس میں اور سب سے بڑھ کر پیٹ میں ۔ پیٹ کی آگ بجھانا آسمانوں کی پرواز سے بہتر ہے یہ بلند پروازیاں مہمل ہیں اگر پیٹ خالی ہو تو ۔ تم ستاروں اور سورج کا کھوج لگاؤ وہ تمہاری منزل ہوگی لیکن میری منزل میری نظر کے سامنے ہے ۔ وہ دیکھو ایک مرا ہوا گھوڑا پڑا ہے ۔ میری برادری کے لوگ جمع ہو رہے ہیں ۔ اس لیے میں بھی نظریہ ضرورت کے تحت اپنی منزل کی طرف چلا ہوں تجھے اور تیری پرواز کو خدا حافظ ۔ یہ کہتے ہوئے کرگس نے ایک غوطہ لگایا اور اپنی منزل مردار تک پہنچ گیا اور شاہین بدستور رازہائے سربستہ کی تلاش میں بلند سے بلندتر کی جستجو میں وحدت و یکتائی خیال کے تصور میں زندگی اور ماورائے زندگی کو جاننے کی آرزو میں سرگرداں ہے وہ عالم تحیر میں گم ہے ۔ اس کے سامنے

صرف فاصلے اور وسعتیں ہیں لیکن پرواز میں ہے اس کی منزل۔ وہ منزلوں سے آزاد ہے منزل قید ہے اور پرواز آزادی ہے۔ کرگس اور شاہین ساتھ ساتھ پرواز کریں تب بھی الگ الگ راستوں کے مسافر ہیں۔ ان کو ساتھ ساتھ بھی دیکھا جائے تب بھی انہیں ساتھی نہ سمجھا جائے۔ یہ ہم پرواز تو ہوسکتے ہیں ہم راز نہیں۔ ایک کا مقصد مکاں اور دوسرے کا لامکاں۔ ایک محدود اور دوسرا لامحدود ایک کا رزق مردار اور دوسرا دل کا شہنشاہ۔ ایک موت سے وابستہ ہے اور دوسرا آزادی ہی آزادی کے ساتھ۔ علامہ اقبال فرماتے ہیں:

دل کی آزادی شہنشاہی! شکم سامان موت
فیصلہ تیرا تیرے ہاتھ میں ہے دل یا شکم

شاہین اور کرگس معاشرے میں باہم موجود رہتے ہیں۔ دونوں کی پرواز اسی ایک فضاء میں رہتی ہے لیکن دونوں کا جہاں الگ الگ ہے۔ ایک آسمانوں پر جھپٹتا ہے اور دوسرا مردار پر آگرتا ہے ان کے مزاج الگ، ان کی داستان الگ۔ شاہین کی بات کرگس کی سمجھ میں نہیں آسکتی۔ علامہ فرماتے ہیں:

پرندوں کی دنیا کا درویش ہوں میں
کہ شاہیں بناتا نہیں آشیانہ
یہ پورب یہ پچھم چکوروں کی دنیا
مرا نیلگوں آسماں بے کرانہ
جھپٹنا، پلٹنا، پلٹ کر جھپٹنا
لہو گرم رکھنے کا ہے اک بہانہ

زندگی کے ہر شعبہ میں کرگس اور شاہین ساتھ ساتھ دیکھے جاتے ہیں ہر شعبے میں ہر طبقہ اور ہر گروہ میں ہر درجے اور زاویے میں۔

فوج میں بھی شاہین ہیں۔ کرگس بھی ہیں شہباز وہ جرنیل ہے جس کا مدعا ملک کے سوا

کچھ نہ ہو اور گدھ وہ ہے جس کا مدعا صرف پیٹ بھرنا ہو۔ دوزخ بھرنا ہو کبھی کبھی اپنا حاصل ملک کی محرومی بن سکتا ہے۔ صلاح الدین ایوبیؒ، محمد بن قاسم، خالد بن ولید، طارق بن زیاد، قتیبہ بن سلیم، یوسف بن تاشفین، سعد بن ابی وقاص، سب شاہین جرنیل تھے اور بھی کتنے اسمائے گرامی ہو سکتے ہیں عدلیہ میں بھی بڑے بڑے شاہین ہو گزرے ہیں مگر آج کل تو تقریباً مفقود۔ پیٹ سب سے بڑی کمزوری ہے جو کہ بھرتا ہی نہیں۔ حالانکہ حرام اصل زر بھی ساتھ لے جاتا ہے۔ علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں۔

اپنے رازق کو نہ پہچانے تو محتاج ملوک
اور پہچانے تو ہیں اس کے گدا دارا و جم

قرآن حکیم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ''انصاف کرنے والے اللہ کے محبوب ہیں'' پھر فرمایا انصاف تقویٰ سے قریب تر ہے مگر آج کل انصاف نایاب ہو چکا ہے۔ دور دور تک اس کے نشان نظر نہیں آتے۔ انصاف کو تلاش کرتے کرتے انسان کے سانس ختم ہو جاتے ہیں مگر انصاف نہیں ملتا۔

علامہ فرماتے ہیں۔

مجھے روکے گا تو اے ناخدا کیا غرق ہونے سے
کہ جن کو ڈوبنا ہو ڈوب جاتے ہیں سفینوں میں
خاموش اے دل بھری محفل میں چلانا نہیں اچھا
ادب پہلا قرینہ ہے محبت کے قرینوں میں

جب انسان صرف پیٹ کا ہو کر رہ جائے تو وہ کرگس صفت ہو جاتا ہے۔ مگر شاہین صفت انسان مردار نہیں کھا سکتا وہ ہمہ وقت محو پرواز ہے اور پرواز بھی اس کی طرف جس نے قوت پرواز دی۔ تاریخ میں ایسے ایسے حکمران گزرے ہیں جو قرآن مجید کی کتابت کر کے اور ٹوپیاں سی کر نان جویں مہیا کرتے تھے ان کے دور میں شیر اور بکری ایک گھاٹ پر پانی پیا کرتے تھے۔

عادل حکمران اللہ کی رحمت کی نشانی اور ظالم حکمران اللہ کے عذاب کی نشانی ہوتا ہے۔

فرمان رسول ﷺ ہے: **خیر الناس من ینفع الناس**

"تم میں سے بہتر وہ ہے جس سے مخلوق خدا کو زیادہ سے زیادہ نفع حاصل ہو"

مسلمانوں کے قافلے میں شاہینوں کے بسیروں پر کرگسوں کا قبضہ ہو چکا ہے۔

قوم کا ہر طبقہ اپنے فرائض سے غفلت کا مرتکب ہو رہا ہے۔ کیا علماء کیا مشائخ عظام۔

علامہ اقبال بہت پہلے یہ بات کہہ چکے ہیں۔

یہ معاملے ہیں نازک جو تیری رضا ہو تو کر
کہ مجھے تو خوش نہ آیا یہ طریق خانقاہی

دراصل خانقاہی نظام نے دین اسلام کی بے پناہ خدمت انجام دی۔ اللہ والوں نے دین اسلام کی تبلیغ اور اشاعت کی خاطر زندگیاں وقف کر دیں گھربار چھوڑ کر دور دراز علاقوں میں گئے۔ پرسکون زندگی کو خیر باد کہا اور اللہ کے دین کی خاطر بڑی بڑی قربانیاں دیں۔ مگر آج کل زیادہ تر خانقاہی نظام ایک کاروبار بن چکا ہے۔ نذرانے وصول کیے جاتے ہیں۔ قبر پرستی اور پیر پرستی عام ہے۔ علامہ فرماتے ہیں۔

نکل کر خانقاہوں سے ادا کر رسم شبیری
کہ رسم خانقاہی ہے فقط اندوہ دلگیری

اس گئے گزرے دور میں بھی ماشاءاللہ ابھی تک ایسے آستانے ہیں جہاں سے توحید کے چشمے پھوٹتے ہیں۔ جہاں انسانوں کی تربیت قرآن وحدیث کے مطابق کی جاتی ہے ایسی تربیت گاہ میں سے ایک تربیت گاہ "مرکز تعمیر ملت" کے نام سے کوٹ شاہاں وحید کالونی کے قریب واقع ہے جہاں پر عقیدہ کی درستی اور انسانیت کی اصلاح اور فلاح کا کام جاری ہے۔

اللہ کی طرف رجوع

(حضرت مولانا محمد یونس حنیف)

آج کل ''کرونا وائرس'' کے نام سے ایک وبا نے پورے کرہ ارض کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہے۔ مغرب سے مشرق اور شمال سے جنوب تک پورے عالم پر ایک دہشت، خوف و ہراس اور سراسیمگی طاری ہے۔ حکومتیں لرزہ براندام ہیں۔ تخت ہل رہے ہیں، سلطنتیں کانپ رہی ہیں اور سپر پاورز چیخ اور بلبلا رہی ہیں۔ پوری دنیا سے اطلاعیں موصول ہو رہی ہیں۔ کیا ترقی یافتہ ممالک و اقوام اور کیا ترقی پذیر و پسماندہ ممالک و اقوام ہر جگہ پر ہر مقام پر شرح اموات میں اضافہ ہو رہا ہے۔ ہزاروں لاکھوں افراد اس بلائے ناگہانی اور وبائے نادیدہ و نافہمیدہ کی زد میں آ کر موت کی وادی کی نظر ہو چکے ہیں۔ احتیاطی تدابیر بروئے کار لائی جا رہی ہیں، دانش وروں نے مشورے دے دیے ہیں۔ مفتیان دین و شرع متین نے فتوے صادر فرما دیے، علماء اور ماہرین تاریخ نے تاریخ سابق کو کھنگال کھنگال کر حوالہ جات و نظائر پیش فرما کر دلائل کے انبار لگا دیے ہیں عربی و عجمی ذہن اکٹھے ہو گئے ہیں۔ مغربی استعمار اور مشرقی غلام زادوں نے اتفاق کر لیا کہ ''کرونا وائرس'' کی اس عالمی دہشت گردی کا مل کر مقابلہ کیا جائے اور احتیاطی تدابیر اختیار کی جائیں۔ یہ بہت ضروری ہیں۔

لہٰذا صحن بیت اللہ میں دیوار کھینچ دو، رسیاں تان دو، مطاف خالی کر دو، وہ گلے گھونٹ دو جہاں سے لبیک لبیک کی صدائیں اٹھ کر رحمت خداوندی کے دروازے کھولتی ہیں۔ شاہوں اور شاہ زادوں نے شہنشاہ حقیقی کے اس شہر کو بھی لاک ڈاؤن کر دیا جسے اس نے ''**بلد امین**'' کے نام سے موسوم کیا تھا۔ اور جسے سب کے باپ نے 'بلداً امنا'' کہہ کر اس کے لیے برکتوں اور رحمتوں کی دعائیں مانگی تھیں۔ رب محمد ﷺ نے **لا اقسم بھذاالبلد** کہہ کر جس کی عظمت کو

چار چاند لگا دیے تھے۔اور جو آج بھی امن وسلامتی کا مظہر ہے۔جی ہاں یہ احتیاطی تدبیر ہے کہ اس گھر کا طواف نہ کیا جائے جسے صرف ایک نظر دیکھ لینا بھی عبادت ہے۔اور جس کا طواف آدم صفی اللہ سے لے کر محمد الرسول اللہ ﷺ تک تمام انبیاء و رسل کی سنت مبارکہ ومتواترہ اور جزو عبادت ہے۔

احتیاطی تدابیر میں سے ایک یہ بھی ہے کہ مساجد میں حاضری جتنی گھٹا سکتے ہو گھٹا دو، زیادہ سے زیادہ پانچ آدمی ایک وقت میں حاضر ہوں، اس سے زیادہ حاضری احتیاط کے خلاف ہے بارگاہ خداوندی میں سجدہ ریز ہونے کے لیے اتنی تعداد بھی بہت زیادہ ہے۔

بہتر ہے کہ صلوٰۃ مع الجماعۃ کا اہتمام و پابندی نہ ہو، نماز گھر میں بھی تو ہو جاتی ہے، اگر مسجد میں حاضر ہونا ہی ہے تو پانچ پانچ فٹ پر کھڑے ہو کر "با جماعت" نماز ادا کریں۔ حالات اور احتیاط کا یہی تقاضا ہے۔

جمعۃ المبارک کا اجتماع بھی پانچ سے بڑھ کر نہ ہو، امام موذن، خادم مسجد اور دو آدمی۔ یہ بہت ہیں، ویسے جماعت تو دو آدمی بھی کر سکتے ہیں۔خطبہ صرف عربی پڑھا جائے۔غیر عربی زبان میں خطبہ و خطاب نہ ہو۔اس لیے کہ پہلے ہی کون سا سامعین توجہ سے سنتے اور عمل کی نیت سے مساجد کا رخ کرتے ہیں۔

احتیاطی تدابیر میں سے یہ تدبیر بھی بہت ضروری ہے کہ مساجد سے تمام تر قالین صفیں اور چٹائیاں اٹھا دی جائیں۔اندر اور باہر سے فرش ننگے کر کے دھو دھو کر ننگے فرش پر ہی نماز ادا کی جائے کعبہ معظّمہ میں بیت اللہ شریف کے ننگے فرش پر ہی اکثر و بیشتر مصلیین و زائرین کرام نماز ادا کر کے رب کو راضی کرتے ہیں۔اگر کوئی شخص صف اور چٹائی پر ہی نماز پڑھنا چاہتا ہے تو اپنے گھر سے جب مسجد کے لیے چلے تو جائے نماز کندھے پر ڈال کر ساتھ لے کر آئے۔اور فرش مسجد پر بچھا کر اس پر نماز ادا کرے اور جب فارغ ہو تو اپنا جائے نماز واپس لے جائے۔

سلام کہنا ہاتھ ملانا اپنی جگہ درست اور صحیح ہے۔اپنے پیاروں سے گلے ملنا بھی اپنی جگہ

درست ہے اور یہ بھی درست ہے کہ دو مسلمان جب کشادہ روئی اور کھلے اور صاف دل سے ملتے اور ہاتھ ملاتے ہیں تو ان کے ایک دوسرے کا ہاتھ چھوڑنے سے پہلے ہی اللہ ان کی بخشش کا فیصلہ فرما دیتے ہیں، کیوں کہ اللہ کریم لطیف وخبیر ہیں، انہیں ملتے ہوئے دیکھ رہے ہیں اور ان کے دلوں کے راز جانتے ہیں، لیکن اے اہل ایمان وتقویٰ! صرف دور سے زبانی سلام کہہ کر اور ماتھے یا سینے پر ہاتھ رکھ کر تھوڑا سا خمیدہ کمر ہو کر اس سعادت سے سبکدوش ہو جاؤ۔ کیوں کہ احتیاط وحالات کی سنگینی کا تقاضا یہی ہے کہ نہ ہاتھ ملایا جائے اور نہ گلے سے گلا ملانے کی بے تدبیری کی جائے۔

من جملہ تدابیر میں سے یہ بھی ایک احتیاطی تدبیر ہے اور یہ بھی بہت ضروری ہے کہ تمام سرکاری وغیر سرکاری سکول، کالجز اور یونی ورسٹیاں غیر معینہ مدت کے لیے بند کر دی جائیں اور اس وقت تک انہیں نہ کھولا جائے، جب تک مصیبت نہیں ٹل جاتی۔ دینی مدارس ومکاتب پر تالے لگا دیے جائیں، طلباء وطالبات کو ان کے گھروں اور علاقوں کی طرف رخصت کر دیا جائے قرآن پڑھنا، باعث ثواب بھی ہے اور باعث حصول رضائے الٰہی بھی۔ اس سے مصیبتیں ٹلتی، دکھ دور ہوتے ہیں۔ قرآن تمام دردوں کا مداوا اور روح وجسم کی بیماریوں کا علاج ہے۔ قرآن ہر زخم کے لیے مرہم ہے۔ لیکن یاد رکھیے جب تک مصیبت ٹل نہیں جاتی، دکھوں، دردوں اور بیماریوں کا علاج نہیں ہو جاتا، قرآنی مراکز کے دروازے نہیں کھلنے چاہییں۔ احادیث وآثار کی تعلیم وتدریس پر قدغن لگا رہنا چاہیے۔ زندہ رہے تو دیکھا جائے گا۔ پھر شگوفے چٹکیں گے، کلیاں کھلیں گی، پھول مسکرائیں گے اور گلشن عالم میں بہار آ جائے گی۔ اس وقت تک صبر وشکیب کا دامن تھامے رہو، برداشت کرتے رہو، مرتے رہو، تڑپتے رہو، ڈوبتے رہو، اور ابھرتے رہو۔ مہنگائی کے سیلاب میں بے روزگاری کے عذاب میں۔ اور یہ بھی نہ سوچنا، کبھی غور نہ کرنا کہ یہ سیلاب کہاں سے پھوٹا اور یہ عذاب کہاں سے آیا ہے۔ کتنی بڑی مصیبت ہے ''کرونا وائرس'' اس مصیبت کے ساتھ کئی اور مصیبتیں ٹوٹ پڑیں۔ اس ایک عذاب کے ساتھ کئی عذاب نازل ہو گئے پوری دنیا کو تہہ وبالا کر کے رکھ دیا۔ ایمان والو اور اسلام کے علم بردارو! غور کرو اور دیانت داری

سے سوچو، کہ کیا اس بلائے ناگہانی اور آفت زمانی کا سب سے بڑا شکار ہم (مسلمان) نہیں ہوئے؟ اور کیا یہ عذاب سب سے زیادہ ہمارے سروں پر نازل نہیں ہوا؟ کیوں نہیں۔ بیت اللہ بند طواف وحج وعمرہ موقوف و بند، مساجد بند، خطبہ وخطاب بند، قرآن وحدیث کے مراکز بند، مصافحہ بند، معانقہ بند، اکٹھے مل کر نماز با جماعت بند، وعظ وارشاد کا عمل بند، اللہ کے دین کے لیے ہجرت و نصرت بند، محفل میلاد و محفل حسن قرآت بند، اس عذاب کا شکار ہو کر کوئی مر جائے تو کفن پہنانا، غسل دینا اور جنازہ پڑھنا بند، دوڑ پیچھے کی طرف اے گردش ایام تو۔ جب حرا سے **"اقرا باسم ربک"** کے نور سے اجالا ہوا۔ اور جب فاران کے دامن سے اسلام کا نیر تاباں طلوع ہو کر ابھرنے لگا تو اس وقت نور قرآن، نور خدا اور نور مصطفیٰ ﷺ کو بجھانے کے لیے نبی پاک ﷺ کا چچا ابولہب پھونکیں مارتا رہا۔ جب اس کی موت کا وقت قریب آگیا۔ اس کے جسم ناپاک پر پھوڑا نکلا۔ اور اس پھوڑے نے پورے جسم کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ بدبو کے بھبھوکے اٹھے اور پورے علاقے کو متعفن کر دیا۔ تڑپ تڑپ کر مر گیا۔ نہ بیٹے نہ بھائی نہ کوئی اور قریبی رشتہ دار اس کے قریب پھٹکتے تھے۔ حبشی غلاموں کو بلایا گیا۔ انہوں نے دور سے پانی پھینک پھینک کر کپڑوں سمیت اس کو بھگویا اور پھر بڑے بڑے ڈنڈوں کے ساتھ گھسیٹ گھسیٹ کر اسے ایک گڑھے میں پھینکا اور اوپر مٹی ڈالی اور سپرد جہنم کر دیا۔ "کرونا وائرس" سے مرنے والا بھی کیا اسی انجام سے دو چار نہیں ہوتا؟ بلکہ اس سے بھی بدتر کتنا بڑا عذاب ہے کہ پوری دنیا زیر عتاب ہے۔

قارئین ذی وقار! اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر یہ وبا عذاب خداوندی ہے تو پھر یہ عذاب آیا کہاں سے اور کس وجہ سے ہے؟ اس کا جواب خدا کے ازلی، سرمدی کلام، کتاب زندہ، قرآن حکیم نے یہ دیا کہ یہ عذاب اس شر و فساد کا نتیجہ ہے جس شر و فساد سے نہ خشکی محفوظ رہی نہ تری۔ یہ فساد بحر و بر میں پھیل چکا ہے اور اس فساد و شر کو بپا کرنے میں خشکی اور سمندر کے درندوں اور دوسری خطرناک مخلوق کا ہاتھ نہیں ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ **"ظهر الفساد فی البر والبحر بما کسبت ایدی الناس"** (الروم 41) ظاہر ہو چکا فساد خشکی اور سمندر میں لوگوں کے

ہاتھوں کی کمائی کی وجہ سے" اور فرمایا ذالک بما قدمت ایدیکم (آل عمران 182) یہ جو کچھ بھی ہے تمہارے ہاتھوں کی وہ کمائی ہے جو تم آگے بھیج چکے ہو۔ یہ اس کا نتیجہ اور پھل ہے جس کا مزہ اب چکھ رہے ہو۔ کیا ہم دیکھ نہیں رہے کہ دنیا ظلم سے بھر گئی ہے، دریائے معاصی موجیں مار رہا ہے۔ کون سی جگہ ہے اور کون سا خطہ ارض ہے جہاں طاقت اور طاقتوروں کا راج و حکمرانی نہیں ہے۔ کفار تو کفار رہے دعویٰ داران توحید خداوندی اور محبت رسول ﷺ کا یہ حال ہے کہ علامہ اقبالؒ تڑپ کر کہتے ہیں:

شب پیش خدا بگریستم زار
کہ مسلماناں چرا خوارند و زارند
ندا آمد نمی دانی کہ ایں قوم
دل دارند و محبوب نہ دارند

"میں تمام رات خداوند قدوس کے سامنے روتا گڑگڑاتا رہا کہ اے اللہ! مسلمان دنیا میں خوار و ذلیل اور رسوا کیوں ہیں؟ آواز آئی کہ تم نہیں جانتے کہ یہ قوم جسے تم مسلمان کہتے ہو اپنے سینے میں دل تو رکھتی ہے لیکن دل میں محبوب (خدا کی محبت) نہیں رکھتی"

کرونا کی وبا اور اس کی دہشت نے پورے عالم کو ہلا کر رکھ دیا ہے، عالمی میڈیا تڑپ اٹھا ہے۔ انسانی ضمیر میں ہلچل برپا ہے۔ لیکن افسوس اس میڈیا اور اس ضمیر کے کان پر جوں تک نہ رینگی جب ایشیا کے سب سے بڑے دہشت گرد ہندوستان نے مقبوضہ کشمیر کی پوری وادی میں لاک ڈاؤن کیا اور اسے بربریت و بہیمیت کا نشانہ بنایا۔ کشمیریوں کے احتجاج پر قہقہے لگائے گئے، ان کی آہوں اور سسکیوں کو دبا دیا گیا۔ ان کی خواہش آزادی کو پامال کیا گیا۔ ان کے جسموں کو گولیوں کی آگ سے بھون ڈالا گیا۔ یہ سب کچھ اسی آسمان کے نیچے اور اسی زمین کے اوپر ہوا اور مسلسل ہو رہا ہے۔ ان مظلوموں کی آہیں زمین کی پنہائیوں سے نکل کر، آسمان کی بلندیوں تک پہنچیں۔ آسمانوں کے دروازے کھول دیے گئے ۔ عرش الٰہی کانپنے لگا

رب السمٰوٰت والارض کی غصے میں ڈوبی ہوئی آواز ابھری" **وعزتی لا نصرنک ولو بعد حین** "مجھے اپنی عزت اور جلال کی قسم میں ضرور بالضرور تمہاری مدد کروں گا۔ اگرچہ ایک وقت کے بعد کروں۔ اور پھر ان آہوں اور سسکیوں کا جواب آ گیا کہ پوری دنیا کو کرونا وائرس کی وبا اور دہشت کی لپیٹ میں لے کر شرق سے غرب اور شمال سے جنوب تک ہر ملک، ہر شہر اور ہر قریہ میں لاک ڈاؤن کر دیا گیا۔

بترس از آہ مظلوماں کہ ہنگام دعا کردن

اجابت از در حق بہر استقبال می آید

احتیاطی تدبیریں کرنی چاہئیں اور جہاں تک ممکن ہو سکا کی جا رہی ہیں۔ یہ تمام تدابیر اور احتیاطیں اپنی جگہ درست ہوں گی۔ لیکن صاحبو! ان تمام احتیاطی تدابیر بروئے کار لانے کے ساتھ ساتھ ہم نے احتیاطیں نہیں کیں، پرہیز نہیں کیا جو کچھ نہیں کرنا چاہیے تھا وہ کر رہے ہیں اور جو کچھ کرنا چاہیے تھا وہ نہیں کر رہے۔ جھوٹ، منافقت، حدود اللہ کی پامالی، ظلم و ستم، عدوان و سرکشی، نفرت و کینہ اور سینہ زوری کا بازار جس طرح پہلے گرم تھا اب بھی گرم ہے، حقوق العباد کا غصب جس طرح پہلے تھا اب بھی اسی طرح ہے۔ مرض سے ہم پریشان ہیں، اسباب مرض پر غور نہیں کر رہے اس مرض بلکہ تمام امراض سے بچاؤ اور نجات کا ایک ہی حل ہے۔ "توبہ اور استغفار"۔ استغفار کیا ہے؟ اپنے گناہوں کی معافی مانگنا، توبہ کیا ہے؟ واپس پلٹ آنا، اس فطرت کی طرف جس فطرت پر اللہ نے تمام انسانوں کو پیدا کیا ہے۔ گناہوں سے معصوم اور پاک زندگی۔ تاریخ انسانی گواہ ہے کہ عذاب خداوندی ہر وقت، ہر جگہ ایک طرز اور ایک ہی طرح کا نہیں آیا۔ نوح کی قوم سے لے کر آج تک اقوام سابقہ کو اور موجودہ کو مختلف اوقات میں مختلف سزاؤں اور عذابوں کی لپیٹ میں لایا گیا ہے اور صرف ایک ہی تدبیر کارگر ہوئی، وہ ہے توبہ استغفار اور رجوع الی اللہ۔ ترک معاصی و سئیات اور اعتصام بامر اللہ۔ ایک واقعہ ملاحظہ فرمائیے! شاید موعظت کے لیے اور دلوں میں تحریک پیدا کرنے کے لیے اور رجوع الی اللہ کا دروازہ کھولنے کے لیے کافی ہو۔

ابن کثیرؒ روایت کرتے ہیں کہ جب شام عراق اور حجاز کے علاقوں میں طاعون کی وبا پھیلی جس میں لوگوں کو سخت بخار ہو جاتا اور بے شمار چوپائے، یہاں تک کہ جنگلی جانور بھی ہلاک ہو گئے۔ اور دودھ اور گوشت کی شدید قلت ہونے لگی۔ اس وبا کے ساتھ سخت گرم ہوائیں اور طوفان بھی آیا اور بے شمار درخت جڑوں سے اکھڑ گئے، لوگوں کو ایسے محسوس ہوا کہ جیسے قیامت آ گئی ہو۔ اس وبائی بیماری کا مقابلہ کرنے کے لیے وقت کے عباسی خلیفہ المقتضی بامر اللہ نے حکم دیا کہ سب لوگ ایک دوسرے کو نیکی کا حکم کریں اور گناہ سے روکیں۔ پھر میوزک کے تمام آلات توڑ دیے گئے۔ شراب کی بوتلیں پھینک دی گئیں۔ ریاست میں موجود تمام بدکاروں کو جلا وطن کر دیا گیا اور تھوڑے ہی عرصے بعد بیماری از خود ختم ہو گئی۔ (البدایہ والنہایہ 13/216)

مومن کا یہ ایمان ہوتا ہے کہ تمام امر اللہ ہی کی طرف سے ہوتے ہیں۔ اس لیے مومن اچھے حالات اور مصائب میں اللہ ہی کی طرف رجوع کرتا ہے۔ اگر موجودہ حالات میں بھی ہم من الحیث القوم اپنے رب کی طرف رجوع کریں اپنے رویوں پر نادم ہو کر خلوص دل سے توبہ کریں اور اپنے معاملات کو درست کر لیں تو یقیناً اللہ بہت مہربان اور بخشنے والا ہے۔

ایک مومن کا طرزِ عمل یہی ہوتا ہے کہ اگر حالات اس کے موافق نہ ہوں تو وہ اپنی ذات میں غور کرتا ہے کہ کس معاملے میں اللہ اور رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی ہو رہی ہے۔ جونہی وہ اپنی درستی کرتا ہے اللہ کی مدد و نصرت کو اپنے سامنے پاتا ہے۔

توحید کی عملی شکل

(محمد عتیق عباسی)

توحید مسلمانوں کیلئے ہی مخصوص نہیں ۔کسی خاص جماعت،قبیلہ ملک یا کسی خاص نسل تک محدود نہیں ۔ بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی نعمت، برکت اور رحمت عام ہے ۔جیسا کہ اللہ کی عام نعمتیں ہوا، پانی، روشنی، سورج، چاند ستارے وغیرہ سب بنی آدم کیلئے ہیں اسی طرح توحید کی برکات، فیوض، نعمت ہر خاص و عام کیلئے ہے۔

توحید کے ماننے کا مطلب محض یہ نہیں کہ اللہ ایک ہے بلکہ یہ دل کی دنیا میں تغیر و تبدل اور عظیم انقلاب برپا کرنے والا عقیدہ ہے۔جسکا عملی زندگی سے گہرا تعلق ہے۔

ایک توحیدی اور منکر توحیدی کی زندگی بالکل مختلف ہے ۔اس جہاں میں باعزت، پاکیزہ اور کامیاب زندگی توحید اور اُس کے لوازم پر ہی عمل پیرا ہوکر گزاری جاسکتی ہے۔

اور اُس جہاں یعنی موت کے بعد بھی عزت وعظمت،فلاح اور دائمی مسرتوں کا بھی وہی مستحق ہے جو توحید پر ایمان اور اُس کے احکامات کے مطابق دنیاوی زندگی گزارے۔انسان کے سوچ و فکر، عمل،تہذیب وتمدن اور معاملات میں توحید کی بنیاد پر واضح تبدیلی رونما ہوسکتی ہے۔

اللہ تعالیٰ سورۃ بقرہ کی آیت نمبر 117 میں فرماتے ہیں۔

بدیع السموات والارض . واذا قضیٰ امرا فانما یقول له کن فیکونo

''وہ پیدا کرنے والا ہے آسمانوں اور زمین کا۔وہ جب کسی کام کا فیصلہ کرتا ہے تو کہتا ہے اُسے ہو جا تو وہ ہو جاتا ہے''۔ پھر ارشاد فرمایا:

اللّٰه خالق کل شی وهو علی کل شی وکیلo (سورۃ الزمر آیت 62)

''اللہ ہر چیز کے پیدا کرنے والا ہے۔وہی اُس کا نگہبان اور ذمہ دار ہے''۔

اسی طرح سورۃ الرحمٰن کی آیت نمبر 27 میں فرمایا:

كل من عليها فانoويبقى وجه ربك ذوالجلال والاكرامo

ساری کائنات اور خود انسان اللہ تعالٰی کی تخلیق ہے۔اپنے ارادے اور حکم سے پیدا کیا۔اسی کے حکم اور ارادے سے قائم ہے۔اُس ذات باری تعالٰی کے علاوہ جو کچھ بھی ہے۔اس کی مخلوق ہے اس کی ذات ہمیشہ سے ہے ہمیشہ رہے گی۔بقیہ سب چیزیں فانی ہیں۔

فمن یکفر باالطاغوت ویو من بااللّٰہ (سورۃ بقرہ آیت۔250)

کے مطابق عمل پیرا ہونا ہوگا۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ کسی عمل، کسی ایجاد یا کسی صنعت کاری کو دیکھ کر انسان اس کے عامل، موجد اور صنعت کار کا معترف ہی نہیں بلکہ اس کی افادیت، اہمیت اور عظمت کے باعث اس کے علم و حکمت اور برتری کا اعتراف بھی کرتا ہے۔اپنے عقل، شعور اور علم کے مطابق، تشکر، عقیدت، محبت کے جذبات بھی رکھتا ہے۔تو پھر جب ہم اللہ کو خالق کل مانتے ہیں۔تو اس کی صفات کو بھی ماننا ہوگا کہ وہ صفات میں یکتا ہے۔صفات میں لاشریک ہے۔تو اُس کی صفات کے بھی لوازم ہیں ان لوازم میں بھی کوئی شریک نہیں ہوسکتا۔

وہ خالق ہے تو ربّ بھی اُسی کو مانا جائے۔پھر حکم دینا بھی اُسی کا حق ہوا۔اُسی کے احکامات کی پیروی کی جائے۔وہی لائق بندگی و اطاعت ہے۔وہ رزاق ہے، تو شکر گزاری اور حقیقی محبت کا مرکز بھی وہی ہونا چاہیے۔وہ مومن اور مُہیمن یعنی نگہبان اور امن عطاء کرنے والا ہے تو مدد اور استدعا اُسی سے کی جائے۔توکل اسی پر کیا جائے۔عزیز اور حکیم ہے تو حقیقتاً وہی قابل اعتماد اور بھروسہ ہے۔جو اپنی قدرت کاملہ اور حکمت سے سارا نظام چلا رہا ہے۔مصائب، تکالیف، راحت، خوشی، رنج و الم میں اسی پر بھروسہ ہونا چاہیے۔

وہ علیم و قدیر ہے تو تمام حالات، واقعات تغیر و تبدل چاہے وہ اعلانیہ یا پوشیدہ ہوں اسی کو آشکارا مانا جائے۔لہٰذا ایسے تمام اقوال اور افعال کی نفی کی جائے جس سے اللہ تبارک و تعالٰی کی صفات کے لوازم کی نفی ہو رہی ہو۔

توحید کا انفرادی اثر

توحید علمی حقیقت نہیں۔ بلکہ نہایت ہی ضروری اور اہم علمی حقیقت ہے۔انسانی زندگی چاہے انفرادی ہو یا اجتماعی۔توحید کے نہایت اہم اور گہرے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔

انسان جو اشرف المخلوقات کہلاتا ہے۔اس کو یہی عقیدہ آزادی اور حریت کا اعلیٰ اور برتر مقام بخشتا ہے کائنات میں تمام اشیاء انسان کے لئے پیدا کی گئی ہیں۔لیکن جب تک انسان توحید سے آشنا نہیں ہوتا۔تو دنیا کی انہی حقیر اور کمزور اشیاء سے خوف زدہ رہتا ہے۔حالانکہ یہ سب اس کی خدمت گزاری اور تابعداری کے لئے پیدا کی گئی ہیں۔لیکن وہ خود ہی توحید سے نا آشنا ہونے کی وجہ سے ان کی خدمت گزاری میں لگ جاتا ہے۔اپنے ہی جیسوں کو اپنا آقا اور رب، نافع، ضرر رساں طاقت اور نہ جانے کیا کیا سمجھنا شروع کر دیتا ہے اور انہی کے آگے جھکنا شروع ہو جاتا ہے توحید سے محرومی کا مطلب ہے کہ

انسان اپنی حقیقت سے نا آشنا ہے

اپنے اور اپنے اللہ کے تعلق سے محروم ہے

اپنی حیثیت،عظمت اور شان سے ناواقف اور بے شعور ہے۔ایک مرتبہ اپنے مقام سے گرتا ہے تو گرتا ہی چلا جاتا ہے۔اپنے نفس کو ذلیل کرنے میں کوئی عار شرم نہیں محسوس کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اشرف المخلوقات ہونے کے جس شرف سے نوازا تھا۔ اس سے بالکل ہی محروم ہو کر رہ جاتا ہے۔توحید سے آشنا ہوتے ہی انسان میں ایسا انقلاب اور تبدیلی رونما ہوتی ہے۔ کہ انسان جو ہر چیز سے پست تھا۔اپنے آپ کو اس قدر بلند و بالا سمجھتا ہے۔کہ ماسوائے اللہ تعالیٰ کے ہر چیز اُسے پست نظر آتی ہے۔

اس کی بہترین مثال اللہ تعالیٰ نے قرآن میں موسیٰ علیہ السلام کے جادوگروں کے مقابلہ کے واقعہ میں پیش کی ہے۔

جب فرعون نے موسیٰ کے مقابلہ کیلئے جادوگروں کو اکٹھا کیا تو انہوں نے قبل از مقابلہ اپنے معاوضہ جیت کی صورت میں انعام واکرام کیلئے اطمینان ضروری سمجھا اور اس کے لئے التجا کی۔

فلما جاء السحرۃ قالو یفرعون ائن لنا لا جرا ان کنا نحن الغالبین o

(سورۃ الشعراء۔آیت:41)

جب جادوگر آئے تو انہوں نے فرعون سے کہا کہ اگر ہم غالب آئے تو کیا ہمارے لئے اجر اور انعام ہے۔اُس نے کہاہاں!

لیکن مقابلہ میں جادوگر مغلوب ہوئے اور توحید کی پکار پاتے ہی ان کی عقل،فہم اور طبیعت میں عظیم انقلاب برپا ہوا کہ ان کے ایمان لانے پر،فرعون نے ان کو طرح طرح کی دھمکیاں دیں،سخت ترین سزاؤں اور سولی پر لٹکانے سے ڈرایا۔لیکن وہ بلاخوف وخطر جواباً کہتے ہیں کہ تمہارا زور،قوت ہر حربہ بس اسی دنیاوی زندگی پر چل سکتا ہے۔ہمیں تو اپنے رب کے پاس جانا ہے۔

وما تنقم منا الا ان امنا بایت ربنا لما جآء تنا ربنا افرغ علینا صبراً وتوفنا من المسلمین o (سورۃ الاعراف آیت نمبر 126)

توحید سے آشنا ہوتے ہی انسان میں ایسا انقلاب اور تبدیلی رونما ہوتی ہے۔کہ انسان جو ہر چیز سے پست تھا۔اپنے آپ کو اس قدر بلند وبالا سمجھتا ہے کہ ماسوائے اللہ تعالیٰ کے ہر چیز اُسے پست نظر آتی ہے۔

اس کی بہترین مثال اللہ تعالیٰ نے قرآن میں موسیٰ علیہ السلام کے جادوگروں کے مقابلہ کے واقعہ میں پیش کی ہے۔تم ہم سے انتقام لینا چاہتے ہو ہمارے دشمن ہو اس لئے کہ ہم اپنے رب کی نشانیاں دیکھ کر ایمان لائے۔اے ہمارے رب ہم پر صبر کے دہانے کھول دے اور ہمیں اسلام پر موت عطا فرما۔فرعون کیلئے تو یہ محض کھیل تماشہ تھا۔لیکن یہ جان گئے تھے کہ موسیٰ علیہ السلام حق پر ہیں اور ان کی دعوت حق ہے۔غور فرمایئے۔کہاں فرعون سے انعام واکرام،معاوضہ کی درخواست اور حق کو پہچانتے ہی اُس کے مقابل اپنے رب سے صبر کی اور اسلام پر خاتمہ کی دعا نہ کوئی خوف،نہ پریشانی،نہ ڈر۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک توحیدی پر یہ راز عیاں ہو جاتا ہے حقیقت کھل کر سامنے آ جاتی ہے کہ خوشی ہو یا رنج، دکھ سکھ، موت و حیات ان کی آمد و رفت کی ایک ہی طریق ہے۔

توحیدی ہر حال میں اللہ سے ہی اُمید رکھتا، اسی سے ڈرتا اور اسی سے استدعا و التجا کرتا ہے۔ کیونکہ وہ جانتا ہے کہ یہ دنیا مختلف حکام، امراء، کارفرما اور کارپردازوں کی رزمگاہ نہیں۔ بلکہ ایک عزیز و حکیم اپنی غالب حکمت سے چلا رہا ہے۔ کوئی بھی اُس کی مرضی کے خلاف اس دنیا میں ذرہ برابر بھی دخل انداز نہیں ہو سکتا۔ اور یہ بھی جانتا ہے کہ اس عالم کا خالق حق ہے اور وہی محبِّ حق ہے۔

جو حق پرست ہو گیا وہ بالواسطہ حق کی ہی خدمت کرتا ہے۔ حق پرست نے دنیا جہاں کی دولت پالی، اس کی زندگی لافانی ہے۔ وہ کسی سے نہ تو ڈرتا ہے، نہ خوفزدہ، نہ ہراساں و پریشان ہوتا ہے، نہ تنہائی کچھ کہتی ہے۔ بلکہ ہمیشہ ایک سدابہار درخت کا پھل کھاتا اور ہمیشہ جاری رہنے والے چشمہ سے فیض یاب ہوتا ہے۔ جیسے اللہ نے خود فرمایا۔

الم تر کیف ضرب اللّٰہ مثلا کلمۃ طیبۃ کشجرۃ طیبہ اصلھا ثابت و فرعھا فی السماء ۔ توتی اکلھا کل حین باذن ربھا ○ اللّٰہ الامثال للناس لعلھم یتذکرون○ (سورۃ ابراہیم آیت 24 اور 25)

کیا تم نے غور فکر نہیں کیا۔ اللہ نے کیسی مثال بیان کی۔ پاکیزہ کلمہ کی اور یہ کہ یہ کلمہ صاف ستھرے پاکیزہ درخت کی مانند ہے۔ اس کی جڑیں مضبوط ہیں اور شاخیں آسمان میں پھیلی ہوئی ہیں۔ یعنی اس کو کوئی بھی قوت نہیں اکھاڑ سکتی۔ یہ اپنا پھل ہر وقت اپنے رب کے حکم سے دیتا ہے۔

غور فرمائیں۔ انسان کی عقل، فہم و دانش جتنا کلمہ طیبہ پر غور کرتی ہے۔ لاتعداد باریکیاں نکلتی چلی آتی ہیں۔ توحید، معرفت الٰہی کی باتیں، ایمانیات، حمد و ثنا، قرآن، تسبیح و تحلیل، صدق، اللہ کی معیت و محبت سب اس میں شامل ہیں۔

اِسی کا ذکر اور اس پر غور فکر کرنے والا، ہمیشہ اور ہر حال میں خوش و خرم رہتا ہے۔ کوئی بھی حالت یا حالات اس کے دلی سکون کو درہم، برہم نہیں کر سکتے۔ بلکہ تمام مصائب، آزمائشوں کا

خندہ پیشانی سے خیرمقدم کرتا ہے۔ہر حال میں مطمئن رہتا ہے۔جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الفجر کی آیت نمبر 27اور28 میں فرمایا۔

یایتھا النفس المطمئنۃ oارجعی الی ربك راضیۃ مرضیۃo

اے نفس مطمئن لوٹ چل اپنے رب کی طرف وہ تجھ سے راضی اور تو اُس سے راضی۔

ولا تکونو کالذین نسوااللّٰہ فانسھم ۔ انفسھم ۔ اولئِك ھم الفسقونo

(سورۃ الحشر آیت19)

''ان لوگوں جیسا مت ہو جانا ۔جنھوں نے اللہ کو بھلا دیا اور پھر اللہ نے اُن کو بھلا دیا۔ وہی لوگ نافرمان ہیں۔

ایک توحیدی کا باطن مکمل یکسوئی کے ساتھ اپنے رب کی طرف راغب رہتا ہے۔ اور یہی یکسوئی عملاً اور ظاہراً بھی طاری ہو جاتی ہے۔

انسان جس طرح طبعی قوانین کے آگے بے بس،لاچار اور بے اختیار ہوتا ہے۔اسی طرح بے بسی، بیچارگی، بے اختیاری اپنے ربّ کے اوامر اور احکام کے آگے اختیار کرتے ہوئے جو آزادی اللہ تعالیٰ نے عطا کی ہے، اُسے بخوشی اللہ کی مرضی اور رضا کے تحت کر دیتا ہے۔ مجبوراً نہیں بلکہ خوشی،خوشی اس کی اطاعت قبول کرتا ہے اور یہی انسان کا اصل شرف ہے۔

طریقت توحید میں انسان کا پہلا درجہ یہی ہے کہ اپنے نفس کی بندگی سے فارغ اور آزاد۔ اپنے آپ کو اپنے رب کی بندگی کے حوالے کر دیتا ہے۔تمام رسوم،قیدوبند سے آزاد ہو کر فلاح کی منازل طے کرتا ہے۔اللہ کے قرب ومعیت کو ترجیح دیتا ہوا بالآخر پکار اُٹھتا ہے۔

قل ان صلاتی و نسکی و محیای و مماتی للّٰہ رب العالمین oلا شریك لہ وبذلك اُمرت وانا اول المسلمینo(سورۃ انعام آیت 162-163)

اور مقام احسان پر فائز ہو جاتا ہے۔ (جاری ہے)

مسائل تصوف، قرآن وسنت کی روشنی میں (قسط اوّل)

(سید مشتاق علی)

بیعت کا ثبوت

حدیث نمبر ا:

اجتناب شرک، بدکاری، اولاد کے عدم قتل، چوری نہ کرنے، تہمت نہ لگانے، معروف حکم میں امیر کی نافرمانی سے بچنے پر بیعت کرنا۔

حضرت عبادہ بن صامتؓ کہتے ہیں کہ ہم صحابہ رسول اللہ ﷺ کی ایک مجلس میں حاضر تھے رسول اللہ ﷺ نے ہم سے فرمایا: میرے ہاتھ پر اس بات کی بیعت کرو کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہیں کرو گے، چوری نہ کرو گے، زنا نہ کرو گے، اپنی اولاد کو ناحق قتل نہ کرو گے۔ اپنے ہاتھ اور پاؤں کے درمیان بہتان تراشی نہ کرو گے، اچھے کاموں میں امیر کی نافرمانی نہیں کرو گے (بخاری شریف: کتاب الاحکام، نسائی کتاب البیعۃ، دارمی، مشکوٰۃ کتاب الایمان)

حدیث نمبر ۲:

پابندی نماز، ادائیگی زکوٰۃ اور مسلمان کی خیر خواہی کرنے پر بیعت

حضرت جریر بن عبداللہؓ کہتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کے ہاتھ مبارک پر نماز قائم کرنے، زکوٰۃ ادا کرنے اور ہر مسلمان کی خیر خواہی کرنے پر بیعت کی۔ (الحدیث بخاری)

حدیث نمبر ۳:

رسول اللہ ﷺ کی بات سننے اور اطاعت کرنے، اہل امر سے عدم منازعت کرنے، کسی کی ملامت کی پرواہ کیے بغیر ہر جگہ عدل وانصاف کی بات کرنے، ہم جہاں کہیں بھی ہوں گے حق بات کہیں گے، ان تمام باتوں پر صحابہ نے رسول ﷺ سے بیعت کی۔

حضرت عبادہ بن صامتؓ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ

کے ہاتھ پر بیعت کی کہ ہم آسانی وتنگی، خوشی و ناخوشی کی حالت میں بھی آپ کی بات سنیں گے اور اطاعت کریں گے اور جو شخص جس کام کا اہل ہوگا ہم اس کو نہیں ہٹائیں گے اور ہم کسی کی ملامت کی پرواہ کیے بغیر محض اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے ہر جگہ انصاف کے ساتھ بات کریں گے۔

(نسائی ، سنن ابن ماجہ)

حدیث نمبر۴:

<u>ایثار پر بیعت</u>

حضرت عبادہ بن صامتؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ مبارک پر اس بات کی بیعت کی کہ ہم پر کسی شخص کو کسی امر میں اگر فوقیت دی جائے گی تو ہم ناراض نہ ہوں گے صبر کریں گے"۔(سنن نسائی، کتاب البیعۃ)

حدیث نمبر۵:

<u>ہر مسلمان کی بھلائی چاہنے پر بیعت</u>

حضرت جریر بن عبداللہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ مبارک پر ہر مسلمان کی خیر خواہی کرنے پر بیعت کی۔(نسائی کتاب البیعۃ)

خوفِ خدا: قرآن کی روشنی میں!

(ہارون یحیٰ)

"اے ایمان والو! ڈرو اللہ سے جیسے حق ہے اُس سے ڈرنے کا اور (خبردار) نہ مرنا مگر اس حال میں کہ تم مسلمان ہو" (سورہ آل عمران۔آیت:۱۰۲)

قرآن کے مذکورہ الفاظ "اللہ سے ڈرو جیسے کہ اُس سے ڈرنے کا حق ہے" اس موضوع کی طرف توجہ دلاتے ہیں جسے قرآن میں انتہائی واضح اور تفصیلی انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کی آیات میں ان موضوعات کو پوری طرح واضح کر دیا ہے کہ خوفِ خدا سے مراد کس طرح کا خوف، کیسا روحانی جذبہ، اور حکم کی نوعیت تعمیل کیا ہے۔ بلا کسی شک کے یہ موضوع قرآن کی تعلیمات کا ایک اہم ترین مقصد ہے جیسے کہ درج ذیل قرآنی آیت سے ظاہر ہے:

"یہ (قرآن) ایک پیغام ہے سب انسانوں کے لیے (اسے اتارا گیا ہے) تا کہ انہیں ڈرایا جائے اس کے ذریعے اور تا کہ وہ اس حقیقت کو خوب جان لیں کہ صرف وہی ایک خدا ہے اور تا کہ اچھی طرح ذہن نشین کر لیں (اس حقیقت کو) دانشمند لوگ۔" (سورہ ابراہیم۔آیت:۵۲)

آیئے دیکھتے ہیں قرآن کی روشنی میں اللہ سے ڈرنے مطلب کیا ہے۔

ہر ممکن حد تک اللہ سے ڈرنا: "پس ڈرتے رہو اللہ سے جتنی تمہاری استطاعت ہے اور (اللہ کا فرمان) سنو اور اسے مانو" (سورہ التغابن۔آیت:۱۶)

قرآن میں اللہ تبارک تعالیٰ نے انسانوں کو اپنی ابدی حاکمیت، اعلیٰ و ارفع مقام اور برتری کے ساتھ ساتھ اس سزا سے بھی آگاہ کر دیا ہے جو اُس نے اپنی نافرمانی کرنے والوں کے لیے تیار کر رکھی ہے۔ اس بات کو مدنظر رکھتے ہوئے ہر شخص کو ان حقائق سے باخبر ہونے کی عکاسی کرتے نظر آنے چاہئیں۔ قرآن کی آیت کی روشنی میں اس مقصد کے لیے ہر شخص کو ہر ممکن حد تک اللہ کی طاقت سے ڈرنا چاہیے اور جہنم کے ابدی عذاب کے بارے میں اُس کی تنبیہ کو مدنظر رکھنا چاہیے

اس طریقے سے اللہ کا خوف اس شخص کے دل میں ایک قدرتی حقیقت بن کر بس جائے گا۔ بالکل اسی طرح ایک مسلمان کو ہر ممکن حد تک قرآن میں بتائی گئی فرض عبادتوں کی ادائیگی میں غفلت اور ناجائز کاموں کے بارے میں بھی تفصیلاً بتا دیا گیا ہے جن کے بارے میں ڈرنا اور محتاط رہنا ضروری ہے، جیسے کہ درج ذیل آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

''اور اسی طرح ہم نے اُتارا اس کتاب (قرآن) کو عربی زبان میں اور طرح طرح سے بیان کیں اس میں گناہوں کی سزائیں تا کہ وہ پرہیزگار بن جائیں یا پیدا کر دے یہ قرآن اُن کے دلوں میں یہ سمجھ''

یہاں ایک اور بے حد اہم نکتہ واضح کرنا بھی ضروری ہے، وہ یہ کہ اللہ کا خوف کوئی ایسا احساس یا جذبہ نہیں ہے جسے صرف مختلف قسم کے کٹھن روحانی مرحلے طے کرنے کے بعد ہی پایا جا سکتا ہو بلکہ یہ ایک نظر آنے والی ایسی کیفیت ہے جو ہر وہ شخص حاصل کر سکتا ہے جو کھلے دل سے اس بارے میں غور و فکر کرے خوفِ خدا کا سچا جذبہ رکھنے کی خواہش کرنے والا انسان مخلصانہ غور و فکر سے یہ جذبہ حاصل کر سکتا ہے۔ مطلب یہ کہ، ایک ایسا شخص جو کہ موت کی حقیقت اور موت کے بعد پیش آنے والے واقعات پر صرف ایک سیکنڈ کیلئے بھی غور کر لے تو وہ اس خوف، دہشت اور احترام کے حامل جذبہ کو پا سکتا ہے۔ اس کا انحصار قطعی طور پر انسان کی بصیرت اور اُس کی مخلصانہ کوشش پر ہے۔

اللہ کو دیکھے بغیر ڈرنا: زمین پر محسوس کئے جانے والے مختلف قسم کے خوفوں اور خوفِ خدا کے درمیان کسی بھی قسم کے ابہام کو ختم کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں اللہ کا خوف رکھنے والے اہل ایمان کے جذبہ اور اُن کی روحانی حالت کو بھی بیان کر دیا ہے۔ ایک مسلمان کا اللہ سے ڈرنا کسی بھی دوسرے خوف سے مختلف ہے، یہ خوف (خوفِ خدا) انتہائی گہرا اور احترام سے بھرپور ہے۔ خوف کی یہ قسم دوسرے خوفوں سے بالکل الگ ہے اور اس کا مقصد انسان کی تکلیف اور مصیبت میں اضافہ کرنا ہرگز نہیں۔ بلکہ اس کے برعکس خوفِ خدا، انسانوں کو عاجزی اور اللہ کی

فرمانبرداری یاد دلا کراُن کی فہم وفراست اور شعور کو پروان چڑھاتا ہے۔ یہ خوفِ خدا انسان کو اچھے کردار کے اعلیٰ مقام پر پہنچنے کے قابل بناتا ہے۔

یہ خوف ایمان والوں میں آخرت کے اجر کی خواہش کو اُبھارتا اور ان کے دلوں میں امید اور جذبہ کو بیدار کرتا ہے۔ اللہ کا خوف ایک مسلمان کی اللہ سے قربت اور اللہ سے پیار میں بھی کئی گنا اضافہ کر دیتا ہے۔ یہ ایک ایسا ناگزیر جذبہ ہے جو عظیم روحانی خوشیاں حاصل کرنے کا ذریعہ بنتا ہے۔ قرآن پاک متعدد آیات میں اس گہرے احترام کو واضح کرتا ہے جو اہل ایمان کو خوفِ خدا سے حاصل ہوتا ہے، جیسے کہ:

''بے شک جو لوگ اپنے رب سے بن دیکھے ڈرتے ہیں ان کے لیے (اللہ کی) مغفرت اور اجر عظیم ہے۔'' (سورۃ الملک۔ آیت:۱۲)

(عقلمند لوگ وہ ہیں جو) ...... ''اور ڈرتے رہتے ہیں اپنے رب سے اور ڈرتے رہتے ہیں سخت حساب سے۔'' (سورۃ الرعد۔ آیت:۲۱)

''جنت اس کیلئے ہے جو ڈرتا تھا رحمٰن سے بن دیکھے اور ایسا دل لیے ہوئے آیا جو یادِ الٰہی کی طرف متوجہ تھا'' (سورۃ ق۔ آیت:۳۳)

''رسول وہ ہیں جو اللہ کے پیغامات پہنچاتے ہیں اور اس سے ڈرتے ہیں، وہ نہیں ڈرا کرتے کسی سے اللہ تعالیٰ کے سوا اور کافی ہے اللہ تعالیٰ حساب لینے والا۔'' (سورۃ الاحزاب۔ آیت:۳۹)

خوفِ خدا کے ساتھ پرامید ہونا: اگر چہ ایک مسلمان کیلئے اللہ سے ڈرنا لازم ہے، لیکن اسے اللہ کے اجر عظیم، اُس کی رحمت اور مغفرت کو بھی کبھی نہیں بھولنا چاہیے اور یہ کہ وہی (اللہ) ذات ہے جو اپنی رحمت کے صدقے توبہ قبول فرماتا ہے۔ گویا حقیقی خوفِ خدا دراصل ایک مخلصانہ اُمید کے جذبہ کو پیدا کرنے کا سبب بھی ہے۔ اللہ کے خوف کا گہرا احساس دراصل اللہ کی مذکورہ بالا صفات پر غور کرنے کے قابل بناتا ہے۔ انسان کو اللہ کی حاکمیت اور عظمت کو زیادہ گہرائی اور جوش وجذبہ کے ساتھ تسلیم کرنے اور نتیجتاً اللہ کی زیادہ قربت حاصل کرنے کے قابل بنا دیتا ہے اللہ سے

ڈرنے والا شخص اُس (اللہ) کی رحمت، اس کی عظمت اور اس کی لامحدود مغفرت کو بہتر طور پر سمجھ سکتا ہے۔

چنانچہ ایک سچا مسلمان اللہ کی طرف خوف اور اُمید کے روحانی جذبہ کے ساتھ رجوع کرتا ہے:

''دور رہتے ہیں اُن کے پہلو (اپنے) بستروں سے پکارتے ہیں اپنے رب کو ڈرتے ہوئے اور اُمید رکھتے ہوئے اور ان کی نعمتوں سے جو ہم نے انہیں دی ہیں خرچ کرتے رہتے ہیں۔''

یہ ایک واضح نشانی ہے کہ اللہ کا خوف قطعاً ایسا جذبہ نہیں جو نا اُمیدی یا مایوسی کا باعث بنے۔ قرآن کی کئی آیات مبارکہ میں واضح کر دیا گیا ہے کہ ایک مسلمان کو ہمیشہ اُمید کا دامن پکڑے رہنا چاہیے:

''اور دعا مانگو اُس سے ڈرتے ہوئے اور اُمید کرتے ہوئے بیشک اللہ کی رحمت قریب ہے نیکوکاروں سے۔'' (سورۃ الاعراف۔آیت:۵٦)

''آپ فرمایئے اے میرے بندو! جنہوں نے زیادتیاں کی ہیں اپنے نفسوں پر، مایوس نہ ہوجاؤ اللہ کی رحمت سے یقیناً اللہ تعالیٰ بخش دیتا ہے سارے گناہوں کو بلاشبہ وہی بخشنے والا، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔'' (سورۃ الزمر۔آیت:۵۳)

حقیقتاً نا اُمیدی تو منکرین اور ایمان نہ لانے والوں کی صفت ہے اس بارے میں بھی قرآن کی متعدد آیات مبارکہ میں واضح طور پر بتایا گیا ہے جیسے کہ:

''اور جن لوگوں نے انکار کیا اللہ تعالیٰ کی آیات کا اور اس کی ملاقات کا، وہ لوگ مایوس ہوگئے ہیں میری رحمت سے اور یہ وہی لوگ ہیں جن کیلئے عذاب الیم ہے۔''

(سورۃ العنکبوت۔آیت:۲۳)

''اے ایمان والو! نہ دوست بناؤ ان لوگوں کو غضب فرمایا ہے اللہ تعالیٰ نے جن پر، یہ آخرت (کے ثواب سے) مایوس ہوگئے ہیں جیسے کہ وہ کفار مایوس ہو چکے ہیں جو قبروں میں ہیں۔''

ذکر کی اہمیت (آخری قسط)

(محمد ابوبکر غزنوی)

یہ حدیث اس پر حجت قاطعہ ہے کہ تلاوت قرآن مجید جو بحکم" انا نحن نزلنا الذکر انا له لحفظون "بدرجہ اولیٰ ذکر الٰہی ہے، مشاہدہ ملائکہ کا باعث ہوئی پھر حضرت حنظلہ والی حدیث سے اس کی اور بھی تائید ہوتی ہے۔حضرت حنظلہ فرماتے ہیں، حضرت ابو بکرؓ مجھے مل گئے۔میں نے کہا:

نافق حنظلہ "حنظلہ تو منافق ہو گیا" حضرت ابو بکرؓ کہنے لگے "حنظلہ تم یہ کیسی باتیں کر رہے ہو؟" میں نے کہا: ہم بارگاہ رسالت میں ہوتے ہیں تو ہماری کیفیت ہوتی ہے کہ ہم جنت دوزخ کا گویا آنکھوں سے مشاہدہ کر رہے ہوتے ہیں۔آپ ﷺ کی مجلس سے باہر آتے ہیں تو بیوی بچوں میں گھل مل جاتے ہیں اور دنیوی دھندوں میں لگ جاتے ہیں اور وہ کیفیت باقی نہیں رہتی۔

حضرت ابو بکرؓ کہنے لگے: یہ حالت تو مجھے بھی پیش آتی ہے، دونوں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنی کیفیت بیان کی،تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

ترجمہ: میں اس ذات کی قسم کھاتا ہوں جس کے قبضے میں میری جان ہے کہ اگر تم مسلسل ذکر کرو اور پیہم تم پر وہ کیفیت طاری رہے جو میری مجلس میں تم پر طاری ہوتی ہے تو فرشتے تمہارے بستروں اور راہ اور تمہاری راہوں میں (ادباً و احتراماً) تم سے مصافحے کریں، لیکن اے حنظلہ! کبھی یہ کیفیت ہے اور کبھی وہ کیفیت ہے"

در بزم عیش یک دو قدح نوش کن برو
یعنی طمع مدار و صال دوام را

عالم ملکوت و لاہوت کا مشاہدہ نہ سہی ، اگر محض سفلی ارواح ہی کا مشاہدہ ہو جائے تو

ایک سمجھ بوجھ رکھنے والے انسان کو یہ بصیرت و یقین حاصل ہو جاتا ہے کہ روح جسم سے ہٹ کر مستقل وجود رکھتی ہے اور یہ عقل ہی کی درماندگی تھی کہ وہ اس بات کے ادراک سے قاصر رہی کہ روح اپنے وجود اور بقا کے لیے جسم کا احتیاج نہیں رکھتی، محض سفلی ارواح کے مشاہدے سے وہ یہ نتیجہ مرتب کرتا ہے کہ وہ اللہ جس نے اس کائنات میں تقابلی رنگ بھرے ہیں۔ رات کے ساتھ دن بنایا ہے، اندھیرے کے ساتھ اجالا پیدا کیا اور خیر کے ساتھ شر کی تخلیق کی، ناگزیر ہے کہ اس نے سفلی اور خبیث ارواح کے مقابل ملائکہ اور ارواح طیبہ کو بھی پیدا کیا ہو۔ حیات بعد الممات کے بارے میں سب سے بڑا اشکال تو یہی تھا کہ جسم فنا ہو جانے کے بعد روح کا زندہ رہنا کیا معنی رکھتا ہے؟ جب ارواح کی زندگی کا شعور حاصل ہو گیا تو ان پر عذاب و ثواب کا مرتب ہونا آسانی سے سمجھ میں آ جاتا ہے۔ یوں محض سفلی ارواح کا مشاہدہ روح، ملائکہ، حیات بعد الممات پر ایمان کا باعث ہو سکتا ہے اور کچھ نہیں تو برٹرنڈ رسل اور اس کی ذریت کے نظریات و افکار کا بودا پن تو انسان پر کھل ہی جاتا ہے۔

ایک بات اور محل نظر ہے۔ مجرد عقل تو ذکر کی قائل ہی نہیں ہوتی ہے۔ وہ کہتی ہے محض کسی نام کی تکرار سے اور ہونٹوں کی جنبش سے کیا ہوتا ہے۔ اسے ذکر پر آمادہ کیسے کریں؟ عقل کو یہ سمجھایئے کہ جہاں حقیقت کی تلاش میں اتنے پاپڑ بیلے ہیں، اتنی وادیوں کی خاک چھانی ہے، اتنی ضخیم کتابوں کو کھنگالا ہے، اگر یہ سچ ہے کہ تو حقیقت کا متلاشی ہے اور محض بندھنوں اور قدغنوں سے گریز کی راہ نہیں ڈھونڈ رہا ہے، تو یہ بھی ایک راستہ ہے جس پر لاکھوں انسانوں نے چل کر حقیقت کا سراغ پانے کا دعویٰ کیا۔ ایک عقلیت پسند استقرائی منطق کو تو مانتا ہے۔ خود عقلیت پسندی کے اصول اسے یہ اجازت نہیں دیتے کہ وہ لاکھوں انسانوں کے تجربات و مشاہدات کو بیک جنبش قلم اپنے کمرے میں بیٹھ کر جھٹلا دے۔ ایک عقلیت پسند کے لیے واجب ہے کہ وہ کسی بات پر رد و قبول سے پہلے موضوع پر تمام مواد اکٹھا کرے وہ ما لہ اور ما علیہ کو جانچے۔ جب تک وہ ما لہ اور ما علیہ کا جانچ نہیں لیتا ہے اس کے لیے زیبا نہیں کہ وہ کوئی

رائے قائم کرے۔ وہ راستہ جس پر چل کر لاکھوں ذہین وفطین انسانوں نے تیقن وایقان حاصل کیا اس کے وجود سے بلاتحقیق انکار نہ کر۔ وہ راستہ جس پر چل کا امام غزالی ایسے نابغہ مولائے روم ایسے عبقری نے مابعد الطبیعاتی حقائق کی معرفت حاصل کی اور تشکیک سے نجات پا گئے ،تو اس راستے پر دو چار قدم چل کے تو دیکھ۔ عالم ارواح کی ہلکی سی جھلک مابعد الطبیعاتی حقائق پر ایمان لانے کے لئے تجھے متوجہ کرتی ہے۔ عین اس وقت جب کہ تمہارا ذہن ان حقائق کے بارے میں متردد ہوگا، یہ مشاہدات عقل کی ساری ہرزہ سرائی کو ختم کردیں گے۔

رخ کشود مذدلب ہرزہ سرایم بستند

دل ربود نتو دو چشم نگرانم دادند

(میں اس کے وجود کے بارے میں واہی تباہی بک رہا تھا کہ اس نے چہرے کی جھلک دکھا کر میرے ہونٹوں کو سی دیا ہے۔ اس نے دل چھین لیا (جھلک دکھا کر) اور دو آنکھیں بخشی جو ٹکٹکی باندھ کر اسے دیکھ رہی ہیں۔

دعائے مغفرت

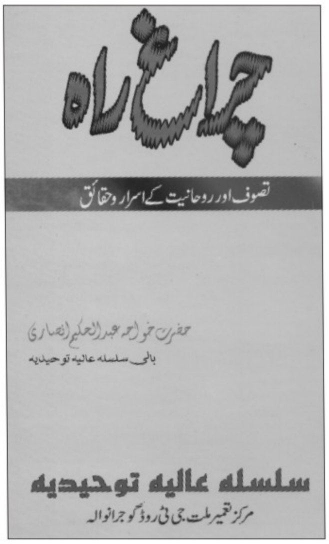
ملتان سے بھائی محمد قاسم توحیدی کے خالو

نوشہرہ ورکاں سے بھائی ماسٹر شاہد محمود (مرحوم) کے بیٹے شہروز

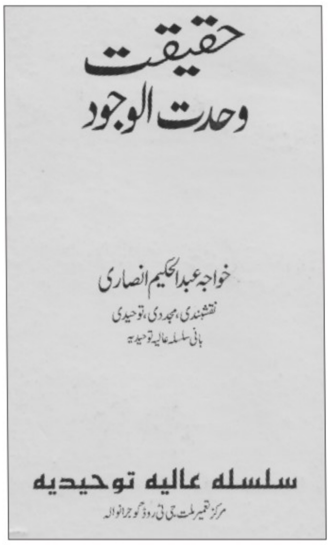
بقضائے الٰہی وفات پاگئے ہیں (اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّـا اِلَيْهِ رَاجِعونَ)

مرحومین کی مغفرت اور بلندی درجات کیلئے دعا فرمائیں۔

بانی سلسلہ عالیہ توحیدیہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کی شہرہ آفاق تصانیف



کتاب ہذا بانی سلسلہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کے خطبات پر مشتمل ہے۔ جو آپ نے سالانہ اجتماعات پر ارشاد فرمائے اسمیں درج ذیل خصوصی مسائل پر روشنی ڈالی گئی۔سلوک وتصوف میں ذاتی تجربات،مرشد کی تلاش کے دس سالہ دور کا حال۔زوال اُمت میں اُمراء ،علماء،صوفیاء کا کردار۔علماء اورصوفیاء کے طریق اصلاح کا فرق۔تصوف خفتہ اور بیدار کے اثرات اور تصوّف کے انسانی زندگی پراثرات۔سلسلہ عالیہ توحیدیہ کے قیام سے فقیری کی راہ کیونکر آسان ہوئی۔



وحدت الوجود کے موضوع پر یہ مختصر سی کتاب نہایت ہی اہم دستاویز ہے۔مصنّفؒ نے وحدت الوجود کی کیفیت اور روحانی مشاہدات کو عام فہم دلائل کی روشنی میں آسان زبان میں بیان کردیا ہے۔ آپ نے جن دیگر موضوعات پر روشنی ڈالی ہے وہ یہ ہیں:۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ کا نظریہ وحدت الشہود، انسان کی بقاء اور ترقی کیلئے دین کی اہمیت اور ناگزیریت، بنیادی سوال جس نے نظریۂ وحدت الوجود کو جنم دیا اور روحانی سلوک کے دوران بزرگان عظّام کو ہوجانے والی غلط فہمیاں۔

مکتبہ توحیدیہ کی مطبوعات

قرونِ اولیٰ میں مسلمانوں کی بے مثال ترقی اور موجودہ دور میں زوال وانحطاط کی وجوہات، اسلامی تصوّف کیا ہے؟ سلوک طے کرنے کا عملی طریقہ، سلوک کا ماحصل اور سلوک کے ادوار، ایمان محکم کس طرح پیدا ہوتا ہے؟ عالم روحانی کی تشریح، جنت، دوزخ کا محل وقوع اور ان کے طبقات کی تعداد، انسانی روح کی حقیقت کیا ہے؟ روح کا دنیا میں آنا اور واپسی کا سفر، اسلامی عبادات، معاملات، اور اخلاق وآداب کے اسرار ورموز اور نفسیاتی اثرات، امت مسلمہ کے لئے اپنے کھوئے ہوئے مقام کے حصول کیلئے واضح لائحہ عمل۔



یہ کتاب سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا آئین ہے۔ اس میں سلسلے کی تنظیم اور عملی سلوک کے طریقے تفصیل کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں۔ جو لوگ سلسلہ میں شامل ہونا چاہتے ہیں انہیں یہ کتاب ضرور پڑھنی چاہئے۔ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے تصوف کی تاریخ میں پہلی مرتبہ فقیری کا مکمّل نصاب اس چھوٹی سی کتاب میں قلم بند کر دیا ہے۔ اس میں وہ تمام اوراد، اذکار اور اعمال واشغال تفصیل کے ساتھ تحریر کر دیئے ہیں جس پر عمل کر کے ایک سالک اللہ تعالیٰ کی محبّت، حضوری، لقاء اور معرفت حاصل کر سکتا ہے۔



Reg: CPL - 01
Website www.tauheediyah.com